اللہ کی رضا کے لیے ملاقات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک شخص اپنے ایک بھائی کی ملاقات کے لیے ایک بستی میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو اس کی راہ میں متعین کر دیا۔ اس نے پوچھا: کدھر کا ارادہ ہے؟ اس شخص نے جواب دیا: اس بستی میں میرا ایک بھائی ہے۔ فرشتے نے پوچھا کہ کیا اس نے کچھ احسان کیا ہے جو بدلہ چکانے جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: نہیں، میں اس سے صرف اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ میں اللہ کا تیرے پاس فرستادہ ہوں ۔ اللہ نے بھی تجھ سے محبت کی جیسا کہ تُو نے اس شخص سے محبت کی۔'' (الادب المفرد)

اسلامی جہاد کی غرض قیام عبادت ہے

اس آیت [سورت حج: ۴۰] میں بڑے واضح الفاظ میں قرآن حکیم نے بتا دیا ہے کہ اسلامی جہاد سے غرض معابدِ الٰہیہ کی حفاظت ہے۔ مسلمان اس لیے میدانِ جہاد میں قوت آزما ہوتا ہے کہ خدا پرستی کے تمام مرکزوں کو مشرکین کے قبضہ و استیلا سے پاک کر دے۔ وہ جہاد و قتال سے مادی نفع کا طالب نہیں ہوتا بلکہ اس کے سامنے اعلاء کلمۃ اللہ کا بلند مقصد ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے لیے لڑتا ہے اور اللہ کے لیے صلح کرتا ہے۔ اگر مسلمان حق وصداقت کی تائید میں تلوار نہ اُٹھائے تو پھر ساری دنیا میں باطل کی حکومت ہو جائے اور تمام مرکزوں میں جہاں اللہ کا نام لیا جاتا ہے، دیوتاؤں اور معبودانِ باطل کی عبادت ہونے لگے۔ مسلمان امن عالَم کا کفیل ہے۔ اس کا جہاد دوسرے مذاہب کی آزادی کے لیے بھی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ سب عبادت گاہوں کی حفاظت ہو اور سب لوگوں کو آزادی حاصل ہو کہ وہ آزادانہ طور پر اللہ تعالیٰ کو یاد کر سکیں اور اس کے نام کو بلند کر سکیں۔ البتہ اسے یہ ناپسند ہے کہ لوگ غیر اللہ کی پرستش کریں اور بتوں اور دیوتاؤں کے نام پر معابد تعمیر کریں۔ کیوں کہ ایسے مراکزِ عبادت درحقیقت جہالت و تاریک خیالی کے مدرسے ہوتے ہیں۔ جہاں انسانوں کو ذلت و نکبت کا درس دیا جاتا ہے اور یہ بتایا جاتا ہے کہ خدا کے سوا اور ہستیاں بھی احترام و عبادت کے لائق ہیں، حالاں کہ یہ بہت بڑی گمراہی اور بہت بڑا جرم ہے۔ اس سے نفسِ انسانیت تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور پھر کبھی اُبھرنے کی اُمید نہیں کی جاسکتی۔ (مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست
مولانا ابوبکر صدیق السلفی حفظہ اللہ

یکم رجب المرجب 1435ھ جمعۃ المبارک 02 تا 08 مئی 2014ء

مسلک اہلحدیث کا داعی وترجمان

ہفت روزہ الاعتصام

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

شمارہ 18 جلد 66

خط کتابت کے لیے	:	ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر	:	ABL 2466-4 بلال گنج برانچ، لاہور
فون نمبر	:	042-3735 4406
فیکس نمبر	:	042-37229802
رجسٹرڈ نمبر	:	CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال -/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

دینِ حقیقی سرچشمۂ حیات

محمد سلیم چنیوٹی

اسلام اللہ کریم کا نازل فرمودہ دین حقیقی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے اس منتخب دین کی ترویج واشاعت کے لیے اپنے منتخب بندے مقرر فرمائے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق وعنایت رہی کہ اپنے چنیدہ بندوں سے اپنے دین کا کام لیتا ہے وہ رب رحیم وکریم اپنے دین کو کائنات کے کونے کونے تک پہنچانے کے اسباب بھی پیدا فرماتا رہتا ہے۔

دین کی حقیقی سچائی روح پراثر پذیری اور خلق خدا پر اس کی تاثیر کی برکت ہی ہے کہ آج اسلام کی محبت اور عقیدت اکنافِ عالم تک پہنچ چکی ہے۔

آج کل دینی مدارس کے تعلیمی سال کا اختتام ہو رہا ہے۔فکر محدثین علیہم الرحمہ کے طریق پر چلنے والے دینی مدارس میں ان دنوں اختتام بخاری شریف کی تقاریب کا اہتمام دیکھنے میں آرہا ہے۔اللہ کریم کا فضل واحسان ہے کہ اس گئے گزرے دور میں اللہ کریم کے چند منتخب بندے اپنے اللہ کا سچا دین طلبائے دینیہ کو سکھانے کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ یہ طلبائے کرام دور دراز علاقوں سے آکر اپنی مادرِ ہائے علمیہ یعنی مدارس وجامعاتِ دینیہ سے حاصل کردہ علم دین کی روشنی جب اپنے اپنے علاقوں اور قصبات میں جا کر پھیلانا شروع کرتے ہیں تو دیے سے دیا روشن ہونا اور چراغ سے چراغ جلنا شروع ہو جاتا ہے۔آج ہزاروں سے متجاوز طلبائے کرام اُس حقیقی دینی تعلیم سے مالا مال ہیں، جسے پیغمبر اکرم ﷺ نے بحکم خداوندی مخلوقِ خدا تک پہنچایا اور حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمعِ عظیم میں آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھا کر فرمایا تھا کہ اے اللہ! گواہ رہنا، میں نے تیرا دین من وعن تیرے بندوں تک پہنچا دیا۔

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾

اللہ کریم کا نازل کردہ دین ہی دین حقیقی ہے۔اس کے مقابل بعض لوگوں نے اس دین میں ملاوٹ بھی کی۔یعنی دین حقیقی کے مقابلے میں غیر حقیقی دین کو بھی رائج کرنا چاہا۔یہی وجہ ہے کہ اسلام کی سچی تعلیمات سے جب بھی مسلمان مونہہ پھیر لیتے ہیں اور اس حقیقی دین سے روگردانی شروع کر دیتے ہیں تو پھر انھیں دہشت گردی، خون ریزی، خودکشی، ڈکیتی، ناانصافی، اپنے حقوق سے تجاوز، اغیار سے مفاد کا حصول اور عاقبت نااندیشی جیسے اَن دیکھے فتنوں اور آزمائشوں میں مبتلا ہونا پڑ جاتا ہے۔

زمانہ عروج کے مسلمان دین حقیقی کے علم بردار ہوا کرتے تھے۔وہ اپنے قول وکردار میں سچ کو اختیار کرتے تھے۔ان کے آگے مشکلات نام کی چیزیں نہ تھیں اگر تھیں تو وہ عارضی ہوتی تھیں۔وہ ہر لمحہ دین حقیقی کے ماخذ یعنی قرآن وحدیث سے وابستہ وپیوستہ رہتے تھے۔اس کے مقابل دین مروجہ ہے۔جو صرف چند حرکات وسکنات ہی سے شروع ہوتا اور اس پر ہی ختم ہو جاتا ہے۔اس کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں!

دین حقیقی یعنی سچا اسلام ہمیں سچ کا کلمہ سکھاتا ہے۔یہ دین حق کی روشنی اور لذتِ حقیقی سے آشنا کرتا ہے۔اس سے مردہ رگوں میں تازگی آتی ہے۔کمزور عقیدہ طاقت ورعقیدے میں بدل جاتا ہے۔شرک وبت پرستی اور اس سے بھی آگے زندہ اور مردہ پرستی سے اجتناب کرنا شروع کر دیتا ہے۔جعلی پیروں، جعلی عاملوں اور بدعقیدگی سے چھٹکارا ملتا ہے۔یہ حقیقی اسلام سے روگردانی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارا معاشرہ پستی کی کس حد تک چلا گیا کہ ہم نے اپنے مسائل حل کرانے کے لیے بزرگوں وپیروں کو کارساز سمجھ رکھا ہے جب کہ وہ خود بھی اپنے انجام سے واقف نہیں ہوتے اور

نہیں جانتے کہ وہ کس طرح کے کاموں میں مشغول ہیں ۔حرص وہوس ، لالچ وطمع ، رنج وفکر ، بدنظمی ولاقانونیت ، ذہنی وفکری انتشار ، حیوانیت و درندگی یہاں تک کہ انسان نے انسان ہی کا گوشت کھانا شروع کر دیا ہے ۔نام کے مسلمان یہ بھی انسان ہی ہیں جو اللہ کی مخلوق کو گدھوں ، کتوں اور دوسرے حرام گوشت کھلانے سے بھی گریز نہیں کرتے ۔العیاذ باللہ من ذلک .

ہر مسلمان دینی تعلیم حاصل نہیں کر پاتا یا اسے تعلیم کی طرف متوجہ ہی نہیں کیا جاتا ۔یا حالاتِ زمانہ اسے تعلیم دین سے دور رکھتے ہیں ۔مگر اللہ ورسول ﷺ کے دین کا اس قدر علم حاصل کرنا تو ہر مسلمان کی ضرورت ہے ۔جن سے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق اور حلال وحرام کو جان سکے ۔ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور پیغمبر آخر الزمان ﷺ سے محبت وتعلق تو ہونا چاہیے ۔اس کے لیے ضروری ہے کہ علمائے کرام وصلحائے عظام کی مجالست و مصاحبت اختیار کی جائے ۔علماء وصلحاء وہ ہونے چاہئیں جن کے سینے میں اللہ کریم اور رسول مکرم ﷺ کی سچی محبت موجود ہو اور جو خود عاملین شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام ہوں ۔ان علمائے کرام کی مجالس میں حاضری سے بھی اسلام کی حقیقی روشنی اور غیر مطمئن روحوں کو سکون واطمینان فراہم کرتی ہے ۔انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ وہ اچھی صحبت سے اچھائی حاصل کرتی اور بری صحبت سے بری عادتیں اخذ کرتی ہے ۔

علمائے کرام سے بارہا سنا وہ ایک حدیث شریف بیان فرماتے ہیں ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے ''نیک ہم مجلس وہم نشین کی مثال عطر فروش کی سی ہے ۔کہ وہ یا تو تمھیں عطر سے معطر کرے گا یا تم کو اس سے عطر خریدنا پڑے گا ۔یا کم از کم تم اس کے عطر سے خوشبو تو سونگھ ہی لوگے اور برے کی صحبت وہم نشینی کی مثال آگ کی بھٹی کی سی ہے کہ یا تو تم اپنے کپڑے جھلسا لوگے یا تمھیں اس کی بھٹی کا دھواں ضرور پہنچے گا ۔

قومی سلامتی سب سے مقدم چیز ہوتی ہے اور منبر ومحراب سے اُٹھنے والی آواز ملکی سلامتی میں بڑی ممد ومعاون ہوسکتی ہے ۔علمائے کرام و صلحائے عظام کا اولین فرض ہے کہ وہ اپنے خطبات ، اپنی مجالس اور مواعظ اور اپنی تقاریر سے اُمتِ مسلمہ کو لاحق اندرونی وبیرونی خطرات سے آگاہ کرتے رہا کریں ۔فرقہ واریت اور ذہنی انتشار اور مذہبی خلفشار سے طاغوت عامۃ المسلمین کو قومیت ولسانیت کے ذریعے مسلمانوں میں مؤثر ہونے کی کوشش کرتا ہے ۔طاغوت کی ہمیشہ کوشش رہی اور اب تک ہے کہ مسلمان آپس میں دست وگریبان رہیں ، مذہبی منافرت ایک ایسا ناسور ہے کہ اس سے کوئی بھی قوم مضبوط اور مستحکم نہیں ہوسکتی ۔

یہ بات تو ڈھکی چھپی نہیں کہ عالمی ذرائع ابلاغ کو یہودی کنٹرول کیے ہوئے ہیں وہ ایسی ایسی حرکتیں کرتے اور فتنے پھیلاتے رہتے ہیں کہ مسلمان ممالک اور ان کے اداروں میں خلفشار پیدا کر کے ان کی سوچ کو محدود رکھا جائے ۔وہ نسل نو سے پائیدار امن ، خطے کی صورت حال سے آگاہی اور اردگرد کے ماحول کو سمجھنے اور جانچنے کی صلاحیتیں سلب کر لینا چاہتے ہیں ۔

جہاں علمائے حق کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اُمت مسلمہ کی صحیح بنیادوں پر تربیت ورہنمائی کریں وہاں کارپردازانِ حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ ملکی سطح پر علمی مذاکرے ، تربیتی ورکشاپس اور تعلیمی کانفرنسیں یعنی علم دین سے متعلق اور دین ہی کے زیر اثر اجتماع منعقد کر کے قومی ہم آہنگی کو عام کریں ۔پڑوسی ممالک میں بدلتی صورت حال اور سیاسی تبدیلیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے ۔اسی سے قومی سلامتی مستحکم ہوگی ، فرقہ واریت کی جڑیں کمزور ہوں گی اور باہمی محبت واخوت کا رشتہ مضبوط ہوگا ۔ان شاء اللہ

ہر امن پسند پاکستانی کی طرح وطن عزیز میں امن کے ہم بھی خواہش مند ہیں ان صفحات میں طالبان سے مذاکرات کی تائید اس کی گواہ ہے ۔لیکن طالبان کو بھی اپنی صفوں میں سے ان عناصر کو نکال باہر کرنا چاہیے جو بارودی حملوں اور فورسز کے خلاف کارروائیاں کر کے امن کی کوشش کو سبوتاژ کرنے کی سعی نامشکور کر رہے ہیں ۔اللہ کریم سے دعا ہے کہ وطن عزیز امن کا گہوارہ بنے اور یہاں دینی اقدار فروغ پذیر ہوں یہی دینِ حقیقی سرچشمۂ حیات ہے ۔

درس قرآن — قسط نمبر ۵۱

تفسیر سورة الصّٰفّٰت

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمان کہ میں بیمار ہوں، تعریض کے طور پر تھا اور اسی اعتبار سے اس پر کذب کا اطلاق ہوا ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُنھوں نے اپنے آپ کو روحانی مریض قرار دیا ہو اور قوم سمجھی کہ یہ فی الموقع بیمار ہیں۔ تعریض کی ایسی مثالیں اس کے علاوہ بھی قرآن پاک اور احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے کارندوں نے اخوان یوسف سے کہا تھا:

﴿اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ﴾ [یوسف: ۷۰]

''اے قافلے والو! بلاشبہ تم یقیناً چور ہو۔''

حالانکہ وہ چور نہ تھے۔ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام نے یہ ترکیب اللہ تعالیٰ کے اشارہ سے اختیار کی تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ﴾ [یوسف: ۷۶]

''اسی طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی۔''

حالانکہ یہ تدبیر امر واقع کے خلاف ہے اخوان یوسف نے کوئی چوری نہیں کی تھی۔ مگر یوسف علیہ السلام کے حکم و تدبیر کے نتیجہ میں ان کے کارندوں نے انھیں چور کہہ کر للکارا۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے امام سفیان سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ﴿انی سقیم﴾ اور ﴿بل فعله كبيرهم هذا﴾ کہنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اشارے اور حکم پر کارندوں کا ﴿انكم لسٰرقون﴾ کہنا، یہ سب تعریضات میں سے ہیں جنھیں کذب کہا گیا ہے مگر یہ حقیقتاً کذب نہیں۔ (اعلام الموقعین: ۵/۱۵۴، نیز: ۵/۱۷۶)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بوڑھی عورت نے عرض کیا کہ میرے لیے دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے جنت عطا فرمائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بوڑھی جنت میں نہیں جائے گی۔

(مسند امام احمد: ۳/۱۶۱، شمائل ترمذی رقم: ۲۴۰ وغیرہ)

ہجرت کے موقع پر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا گیا کہ تمھارے ہمراہ ہیں تو وہ فرماتے:

''هذا يهد يني السبيل .''

(مسند أحمد، رقم: ١١٨٢٥)

''یہ میری راہنمائی کرنے والے ہیں۔''

یہ سن کر سائلین مطمئن ہو جاتے اور سمجھتے کہ راستے کا کوئی راہ بَر ہے حالاں کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مقصد تھا کہ یہ میرے ہادی اور راہ نما ہیں۔

حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے فرزند فوت ہو گئے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے اور بیٹے کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''أرجو أن يكون قد استراح .''

''مجھے اُمید ہے یقیناً وہ راحت میں ہے۔''

یہ بھی تعریض و توریہ ہی تو ہے۔ اس لیے زندگی میں اس سے نہ بچا جا سکتا ہے اور نہ ہی تعریض کرنے والے کو جھوٹا کہا جاتا ہے تاہم اس پر لغوی طور پر کذب کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ یہی بات حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے مفتاح دار السعادة (۲/۳۹) میں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے الجواب الصحیح (۲/۲۸۸) میں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں، علامہ قرطبی اور علامہ آلوسی وغیرہ نے اپنی اپنی تفسیر میں کہی ہے۔ علامہ آلوسی جو عموماً امام رازی کے اقوال بغیر نام لیے ''قال الامام''

کہہ کر ذکر کرتے ہیں، اُنھوں نے اس مبحث میں امام رازی رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ حدیث سے تعلق کم ہونے کی وجہ سے انھوں نے صحیحین کی حدیث کا یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا ہے کہ اس کے راوی کو جھوٹا کہنا آسان ہے بہ نسبت نبی کو جھوٹا کہنے کے۔

(روح المعانی: ۲۳/۹۳)

کس راوی کو جھوٹا کہا جائے؟ اس کی باقی مرویات کی مرتبہ کیا رہ جائے گا؟ پھر یہ حدیث ایک راوی سے تو ہے نہیں، آخر کس کس کو جھوٹا کہا جائے گا؟ امام رازی کی طرح شیخ ماتریدی کے انکار کو بھی دراصل حدیث سے عدمِ ممارست کا نتیجہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ حیران کن بات تو یہ ہے کہ تاریخ اور تراجم کی امہات الکتب میں کہیں علامہ ماتریدی کا ذکر خیر نہیں، مثلاً: کامل ابن اثیر، وفیات الاعیان، السیر، تاریخ اسلام، العبر، فوات الوفیات، البدایہ، شذرات الذہب، الانساب، تاریخ بغداد، تاریخ دمشق، اخبار اصبہان، العقد الثمین وغیرہ۔

ان کے حنفی ہونے کے ناتے متاخرین علمائے احناف نے ان کا ذکر کیا ہے اور کلامی اور فقہی مباحث میں ان کے مقام و مرتبہ کو بیان کیا ہے مگر حدیث میں ان کا اختصاص یا اس حوالے سے ان کی رحلات علمیہ اور خدمات کا کہیں ذکر نہیں، اس لیے اُنھوں نے بھی اگر صحیحین کی حدیث کا انکار کیا ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

ہم پہلے بھی عرض کر آئے ہیں کہ بعض حضرات نے لفظ ''سقیم'' کو اس کے حقیقی معنی میں سمجھا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے نڈھال اور ناتواں ہونے پر بھی سقیم کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہ ہر انسان کو کوئی نہ کوئی عارضہ ہوتا ہی ہے اس لیے وہ واقعی سقیم تھے۔ مگر اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قوم نے کیا انھیں نڈھال وغیرہ سمجھ کر ہی نظر انداز کر دیا تھا یا فی الواقع بیمار سمجھ کر کہ یہ ساتھ جا نہیں سکتے؟

''سقیم'' کے لفظ سے جس جسمانی بیماری کا تاثر ہے اس کے برعکس ناتوانی اور کمزوری تعریض وتوریہ ہی ہو سکتا ہے۔ حقیقت بہر حال یہ نہ تھی۔

ساتھ نہ جانے کی کوئی بھی نوعیت ہو اس پر پھر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ قوم کے چلے جانے کے معاً بعد اُنھوں نے پوری قوت سے، جیسا کہ آگے (آیت: ۹۳ کے تحت) آرہا ہے، بتوں کو پاش پاش کیسے کر دیا؟ اس لیے صحیح یہی ہے کہ ''سقیم'' سے توریہ کے طور پر مستقبل میں بیمار ہونا مراد ہے یا مجازاً روحانی بیماری مراد ہے۔ اور یہ حقیقی جھوٹ نہیں جس کی مذمت ہے۔



درس حدیث

دس ناپسندیدہ کام

"عن ابن مسعود رضي الله عنه ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یکرہ عشر خلال: الصفرة يعني الخلوق، وتغيير الشيب، وجر الازار، والتختم بالذهب، والضرب بالكعاب، والتبرج بالزينة لغير محلها، والرقى إلا بالمعوذات وعقد التمائم، وعزل الماء غير محله، وافساد الصبي غير محرمه."

(سنن أبي داود:٤٢٢٢)

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس باتوں کو برا جانتے تھے: (۱) زرد رنگ کی خوشبو۔ (۲) سفید بالوں کو بدلنا۔ (۳) تہبند لٹکانا۔ (۴) سونے کی انگوٹھی پہننا۔ (۵) نرد کھیلنا۔ (۶) بے جا زینت کا اظہار کرنا۔ (۷) بغیر معوذتین کے غیر مشروع دم جھاڑ کرنا۔ (۸) سیاہ سفید دانے گلے میں لٹکانا۔ (۹) نطفہ بے جا ضائع کرنا۔ (۱۰) بچہ کی ''حق تلفی'' کرنا۔ مگر یہ حرام نہیں۔''

حدیث بالا میں دس اُمور کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ جنھیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم برا اور خلاف فطرت سمجھتے تھے:

۱: سب سے پہلے زرد رنگ کی خوشبو کا استعمال ناجائز قرار دیا گیا یہ ایک زنانہ خوشبو تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مستعمل تھی۔ اسے زعفران (کیسر) سے رنگین اور خوشبودار بنایا جاتا تھا اور اس خوشبو کو عموماً صرف عورتیں ہی اپنے استعمال میں لایا کرتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لیے اسے ناپسند سمجھا تاکہ اختلاط نہ ہو۔ اس اُصول سے زمانہ حاضر کی ہر وہ چیز جو مرد و عورت کے لیے ایک امتیازی حیثیت سے الگ الگ چلی آ رہی ہے، اسے الگ الگ ہی رکھنا چاہیے۔ خلط ملط سے پرہیز کرنا چاہیے کہ عقلاً بھی اختلاط مرد و زن ایک نقصان دہ چیز ہے۔ مقام غور ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو ایسی معمولی چیز کو بھی جو اس وقت نسوانی طبقہ سے مخصوص ہو چکی تھی، مَردوں کے لیے پسند نہیں فرما رہے تو پھر زمانہ حاضر کی جدت کہ مرد و عورت کا لباس یکساں ہو، حجامت ایک جیسی ہو، نام ملتے ہوں، طور طریق میں ہم آہنگی اور اختلاط بے حجابی وغیرہ کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے؟ جب سے اُمت نے ان پرہیزوں کو چھوڑا، مصیبتوں میں پڑ گئی۔

۲: دوسری چیز جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برا سمجھا، بوڑھے مرد یا عورت کا سیاہ خضاب لگا کر خود کو جوان ظاہر کرنا ہے۔ چونکہ اس میں دھوکا دہی ہے اس لیے اسے ناجائز قرار دیا۔ ہاں بوڑھے اشخاص زرد، سرخ یا ایسا سیاہ رنگ جس میں سرخی ظاہر ہو لگا لیں تو کوئی ہرج نہیں۔ کیوں کہ بالوں کا رنگین ہونا پتا دیتا ہے کہ یہ شخص سفید بالوں والا تھا۔ مگر بالکل ہی سیاہ رنگ جو جوان ثابت کرے، ایک بے ضرورت تکلف اور مغالطہ دہی ہے جو اسلام میں ناپسند ہے۔

۳: شلوار، پتلون، تہبند وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا یا لٹکاتے پھرنا بھی گناہ تصور فرمایا گیا کہ اس میں تکبر و نخوت اور اسراف و بے پروائی کو دخل ہے۔

۴: مردوں کو سونے کی انگوٹھی پہننا بھی ناجائز ہے اور اُمت کے ذکور پر سونا، چاندی کا استعمال کرنا قانوناً منع کر دیا گیا ہے۔ کیوں کہ اُنھوں نے باہر چلنا پھرنا تھا اور چوروں ڈاکوؤں کے حملہ سے جان تک کا خطرہ تھا اور عورتوں نے تو گھر رہنا ہوتا ہے۔ نیز سونے چاندی کو

چھپائے رکھنا تھا اوراس کے علاوہ دیگر روحانی وجوہ۔

۵: مہروں سے کھیلنا برا سمجھا گیا ہے۔ کیوں کہ اس سے تضیع اوقات، آوارگی، فرائض میں کوتاہی، جوابازی کی چاٹ کے بعد ازاں چوری کی عادت کا خطرہ تھا۔اس حکم میں نرد، چوسر، شطرنج، تاش وغیرہ سبھی آجاتے ہیں۔

۶: بے ضرورت اور بے محل بناؤ سنگھار اور زیب وزینت سے بھی روک دیا گیا ہے کہ اس میں کبروغروراور اِسراف وتبذیر اور دعوتِ بدکاری پنہاں ہیں۔ ہاں، جائز اور شرعاً ضروری مواقع پر مثلاً بیوی کا خاوند کے لیے مزین ہونا، درست ہے۔

۷: بدنظری، سحر، دشمنوں کے حملہ اور جملہ مصائب سے پناہ مانگنے کے لیے سورت فلق اور سورت ناس پڑھنا اور انھیں پڑھ کر دم کرنا جائز قرار دیا۔ان کے علاوہ دیگر احادیث میں ایسا کلام جس میں شرک وکفر کا شائبہ نہ ہو، بہ طور دم پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ممانعت صرف غیر مشروع اور غیر اسلامی اورادواذکار سے ہے۔

۸: گلے میں بطور حفاظت یا رہبانیت رنگارنگ منکے، موتی، تسبیح وغیرہ لٹکانا بھی درست نہیں ہے۔یعنی ہر غیر شرعی اظہار جس میں غیراللہ کی طرف موڑ مڑ جائے، ناروا ہے۔ بلاضرورت اور ناجائز تعویذ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

۹: مرد وزن کا اپنی صنفی قوت کو بغیر مجوزہ شرعی محل کے ضائع کرنا ایک بدترین جرم قرار دے دیا ہے۔اسی کے تحت تمام غیر فطری طریقے آجاتے ہیں جو بہر حال ناجائز ٹھہرتے ہیں۔

۱۰: بچہ جن دنوں ماں کا دودھ پیتا ہے، ان دنوں صحبت سے محض اس لیے پرہیز کرنا کہ دودھ خراب ہو کر بچہ کی صحت کے لیے مضر نہ ہو، عمل مستحسن ہے۔اور طبی نقطہ نگاہ سے صحبت واقعی بچے کی غذائیت کو خراب کر کے اس کی حق تلفی کرنے کے مترادف ہے اور ناپسند ہے۔

افتـاء

اولاد کے لیے ہبہ میں مساوات کا حکم؟

مفتی عبیداللہ خان عفیف حفظہ اللہ

سوال :(۱)......میرے والد صاحب نے اپنی جائیداد اپنے بیٹوں کے نام کر دی ہے اور اپنی دونوں بیٹیوں کو محروم کر دیا ہے کیا والد صاحب کا یہ فیصلہ شرعاً درست اور جائز ہے؟

(۲)...... ہم دونوں بہنیں اپنا شرعی حق مانگنے میں شرعاً حق بہ جانب ہیں؟

الجواب بعون اللّٰہ الوھاب ومنه الصدق والصواب، بہ شرط صحت سوال!

(۱)......آپ نے اپنے موقف کے اثبات اور اس کی تائید و تصویب میں وصیت اور میراث کی آیات کا سہارا لیا ہے۔ جب کہ آپ کے والد کے اس جانب دارانہ اقدام کا وصیت اور میراث سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا یہ اقدام دراصل ''ہبہ'' (تحفہ) ہے اور ''ہبہ'' میں قانونِ وصیت اور میراث لاگو نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ''ہبہ'' میں قانون میراث کے برعکس بیٹے اور بیٹی کا حصہ برابر ہوتا ہے۔ اور ''ہبہ'' میں بیٹے کو بیٹی پر ترجیح دینا یا سرے سے محروم کر دینا شرعاً ظلم اور ''جور'' ہے، جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے صاف صاف واضح ہے:

❁......عن نعمان بن بشير أن أباه أتى به إلى رسول الله ﷺ فقال: إني نحلت ابني هذا غلاما. فقال:((أكل ولدك نحلت مثله؟)) قال: لا. قال:((فارجعه.)) وفي رواية البخاري:((واعدلو بين أولادكم.))

(صحيح بخاري:١/ ٣٥٢)

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے لے کر میرے والد جناب بشیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے اپنے دوسرے بیٹوں کو بھی ایک ایک غلام ہبہ کیا ہے؟ میرے والد نے نفی میں جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ہبہ کو واپس لوٹا لو (یہ جائز نہیں)۔'' بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی اولاد میں عدل کیا کرو۔''

❁......((يا بشير! ألك ولد سوى هذا؟)) قال: نعم. فقال:((أكلهم وهبت له مثل هذا؟)) قال: لا. قال:((فلا تشهدني إذا، فإني لا أشهد على جور.))

(صحيح مسلم:٢/ ٣٦)

''(حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) اے بشیر! نعمان کے سوا آپ کے اور بھی بیٹے ہیں؟ جناب بشیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جی ہاں، میرے اور بھی بیٹے ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے ان کو بھی اتنا اتنا دیا ہے؟ کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر مجھے گواہ نہ بناؤ کیوں کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنا کرتا۔''

اس لیے کہ دوسری اولاد پر ایک کو ترجیح دینا ظلم ہے۔

❁......((أفكلهم أعطيت مثل ما أعطيته؟)) قال: لا. قال:((فليس يصلح هذا، وإني لا أشهد إلا على حق.)) (صحيح مسلم: ٢/ ٣٧)

''(ایک اور روایت میں کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی ﷺ نے پوچھا:) ان سب بیٹوں کو مثل اس غلام کے ایک ایک غلام دیا ہے؟ میرے والد نے نفی میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: آپ کا یہ اقدام ناجائز ہے۔ میں تو حق پر ہی گواہ بنتا ہوں۔''

دوسرے الفاظ میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ آپ کا یہ فیصلہ شرعاً باطل ہے، لہٰذا میں اس پر گواہ نہیں بن سکتا۔

ان احادیث صحیحہ کے ظاہر سے واضح ہے ہوتا ہے کہ ہبہ کرتے وقت ''واہب'' (ہبہ کرنے والے) پر شرعاً واجب ہے کہ اپنی اولاد کے درمیان عدل کرے اور بعض اولاد کو دوسری اولاد پر ترجیح اور تفضیل نہ دے۔ اگرچہ احادیث صحیحہ کے ظاہر کے مطابق وجوب ہی متعیّن ہے۔ جناب نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"وفی هذا الحديث انه ينبغي ان يسوى بين اولاده فی الهبة ويهب لكل واحد منهم مثل الآخر ، ولا يفضل ويسوى بين الذكر و الانثى . وقال بعض اصحابنا: يكون للذكر مثل حظ الانثيين . والصحيح المشهور انه يسوى بينهما لظاهر الحديث . "

یعنی اس حدیث کے مطابق ہبہ کے وقت ساری اولاد میں عدل اور مساوات سے کام لینا چاہیے۔ بعض اہل علم کے نزدیک ہبہ میں (بھی قانون میراث کے مطابق) لڑکے کو دوگنا اور لڑکی کو ایک گنا ملنا چاہیے۔ مگر امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہر کے مطابق ان بعض کا موقف صحیح نہیں۔

ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں درج ذیل شبہات جگہ بناتے ہوں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان ازالہ اسی جگہ کر دیا جائے۔ ملاحظہ فرمایئے:

ا۔شبہ:

اور نووی آگے خود اس حدیث کے ظاہر کے خلاف لکھتے ہیں:

"فلو فضل بعضهم أو وهب لبعض دون بعض فمذهب الشافعي ومالك وأبی حنيفة أنه مكروه وليس بحرام . "

''امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک بعض اولاد کو بعض پر ترجیح دینا یا بعض کو محروم کر دینا اگرچہ مکروہ ہے تاہم حرام نہیں۔''

اور کہتے ہیں کہ تفضیل اور ترجیح جائز نہ ہوتی تو آپ ﷺ جناب بشیر رضی اللہ عنہ کو یہ نہ فرماتے:

((فأشهد على هذا غيري .))

(صحيح مسلم:۲/ ۳۷)

''جاؤ کسی اور کو اس پر گواہ بنا لو۔''

ازالہ:

اس کا جواب یہ ہے کہ ((فأشهد على هذا غيري)) یہ اسلوبِ اجازت نہیں بلکہ یہ اسلوب ڈانٹ ڈپٹ کا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ اگر شاگرد سبق نہ سنائے تو استاد غصے میں کہہ دیتا ہے: جاؤ، نہ پڑھو! اور جیسے قرآن میں ہے:

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾[الکهف:۲۹]

''پس جو چاہے سو ایمان لے آئے اور جو چاہے سو کفر کرے۔''

ظاہر ہے کہ آیت میں کفر کی اجازت نہیں دی جا رہی بلکہ جھڑکا جا رہا ہے کہ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ لہٰذا ((فأشهد على هذا غيري)) سے توبیخ مراد ہے، چنانچہ فتح الباری میں ہے کہ آپ ﷺ کے ان الفاظ سے تفضیل کی اجازت مراد لینا صحیح نہیں۔ حافظ ابن حجر کے الفاظ یہ ہیں:

"وأما قوله "إن قوله((أشهد)) صيغة إذن" فليس كذلك بل هو للتوبيخ لما يدل عليه بقية الفاظ الحديث......وقال ابن حبان: قوله ((أشهد)) صيغة امر والمراد به نفى الجواز وهو كقوله لعائشة((واشترطي لهم الولاء.))"(فتح الباری: ٥/ ٢٦٨)

''امام نووی کا یہ قول کہ'' نبی ﷺ کے فرمان ''کسی اور کو گواہ بنا لو'' سے اجازت نکلتی ہے'' درست نہیں بلکہ یہ توبیخ اور ڈانٹ کے لیے ہے، جیسا کہ حدیث کے باقی الفاظ دلالت کرتے ہیں......اورامام ابن حبان فرماتے ہیں: ''أشھد'' اگر چہ صیغہ امر ہے مگر اس سے حکم مراد نہیں بلکہ نفی مراد ہے۔''

۲۔شبہ:

آپ ﷺ نے فرمایا: ((ارجعه)) ''رجوع کرلو'' اس سے معلوم ہوا کہ ہبہ صحیح تھا، ورنہ رجوع صحیح نہ ہوتا۔

ازالہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"والذی یظهر ان معنی قوله ((ارجعه)) أي لاتمض الهبة المذكورة."

(فتح الباری:٥/ ٢٦٨)

''جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ ((ارجعه)) کا معنیٰ ہے کہ ہبہ کو جاری نہ کرو۔''

۳۔شبہ:

تفضیل کے قائلین کہتے ہیں کہ حدیث ((لا اشهد علی جور)) کا معنیٰ ظلم نہیں بلکہ اس سے مراد ترک ندب ہے، لہٰذا تفضیل حرام نہیں۔

ازالہ:

مگر یہ توجیح یا تاویل لغتاً صحیح ہے اور نہ شرعاً، لہٰذا حدیث کے ظاہر کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا قابلِ قبول ہے۔ مولانا صفی الرحمان مبارک پوری رحمہ اللہ نے اس تاویل پر ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا ہے:

"یا لیت شعری! هل یسمی ترك الندب جورا!"(اتحاف الكرام، ص: ٢٢٨)

''میرا علم اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ کیا مندوب امر کے ترک کو ظلم کہا جا سکتا ہے!''

تفضیل اور ترجیح کے قائل حضرات نے اپنے موقف (ہبہ میں عدمِ مساوات مستحب ہے، واجب نہیں) کی تائید میں اور باتیں بھی پیش کیں ہیں۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری ان سب کو کمزور قرار دیتے ہوئے سب کو جواب دیا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے: فتح الباري:كتاب الهبة، باب الإشهاد في الهبة: ٥/ ٢٦٧-٢٦٩)

قائلین وجوب:

مساوات اور عدل کے قائلین میں امام طاوس، عروہ، مجاہد، سفیان ثوری، احمد، اسحاق، داود ظاہری وغیرہم کے نام آتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہبہ میں عدل اور مساوات واجب اور بعض اولاد کو دوسری اولاد پر ترجیح یا تفضیل، یعنی ایک کو کم اور دوسرے کو زیادہ دینا یا محروم کرنا، حرام ہے۔ اور وہ احادیث کے ظاہر الفاظ سے اور بعض احادیث میں موجود صیغہ امر سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب قرینہ صارفہ موجود نہ ہو تو امر کا صیغہ وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ الشیخ وھبة زحیلی لکھتے ہیں:

"قال جماعة (وهم أحمد والثوري و طاوس وإسحاق و آخرون): تجب التسوية بين الأولاد فی العطية أو الهبة، وتبطل العطية مع عدم المساواة عملا بظاهر الامر فی الاحاديث الذي تقضی الوجوب مثل قوله علیہ السلام :((اتقو الله)) وقوله علیہ السلام:((واعدلوا

بين أولادكم))و قوله عليه السلام:((فلا إذن)) و قوله عليه السلام في حالة إعطاء بعض دون بعض:((لا أشهد على جور .))"

(الفقه الإسلامي وأدلته:٥/ ٤٠١٤)

''حضرت طاوس،عروہ،مجاہد(جیسے تابعین)،سفیان ثوری، احمد بن حنبل ، اسحاق اور داود ظاہری(جیسے ائمہ مجتہدین) فرماتے ہیں کہ ہبہ اور عطیہ میں اولاد کے درمیان مساوات اور عدل گستری واجب ہے، ورنہ عدم مساوات اور عدل نہ ہونے کی وجہ سے ہبہ باطل ہوگا۔کیوں کہ احادیث میں امر کے صیغے وارد ہیں جو وجوب کے متقاضی ہیں،مثلاً آپ ﷺ کا فرمان ہے:''ہبہ میں اللہ سے ڈرو۔''،''ہبہ کرتے وقت اپنی اولاد میں عدل کرو۔''،((فلا إذن))یعنی جب تم یہ چاہتے ہو کہ تمھارے سارے بیٹے تمھارے برابر کے فرماں بردار اور تم سے یکساں نیک سلوک کرنے والے ہوں تو پھر تم پر بھی واجب ہے کہ ہبہ میں سب کو برابر رکھو اور عدل کرو۔اور ایک کو ہبہ کرنے اور دوسرے کو محروم کرنے کی صورت میں فرمایا:(یہ ظلم ہے اور) میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا۔''

اور قرینہ صارفہ نہ ہونے کی صورت میں امر کا صیغہ وجوب کا متقاضی ہوتا ہے۔چوں کہ یہاں کوئی قرینہ مذکور نہیں، لہٰذا احادیث کے ظاہر کے مطابق بین الاولاد ہبہ میں مساوات واجب ہے۔

سنن ابوداود میں ہے:

((إن لهم عليك من الحق أن تعتدل بينهم كما أن لك عليهم من الحق أن يبروك .))

(فتح الباري: ٥/ ٢٦٧)

''بلاشبہ تجھ پر تیرے بیٹوں کا یہ حق ہے کہ تُو ان کے درمیان اسی طرح عدل کرے جیسے تیرا اُن پر یہ حق ہے کہ وہ سب تیرے ساتھ نیک سلوک کریں۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"واختلاف الالفاظ فى هذه القصة الواحدة يرجع الى معنى واحد . وقد تمسك به من اوجب التسوية فى عطية الاولاد ، وبه صرح البخارى ، وهو قول طاوس والثورى واحمد واسحاق ، وقال به بعض المالكية . ثم المشهور عن هؤلآء أنها باطلة ."

(فتح الباري: ٥/ ٢٦٧)

''ایک ہی واقعہ میں الفاظ مختلف ہیں مگر ان کا معنیٰ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ اولاد کے درمیان ہبہ کرتے وقت مساوات کرنا ضروری ہے۔جو ہبہ میں مساوات کے وجوب کے قائل ہیں،وہ اسی حدیث سے تمسک کرتے ہیں۔امام بخاری نے بھی اسی کی تصریح فرمائی ہے۔امام طاوس،ثوری، احمد، اسحاق اور بعض مالکیوں کا بھی یہی موقف ہے کہ عدم مساوات سے ہبہ باطل ہوگا۔''

درج ذیل حسن حدیث وجوب کا مضبوط ترین قرینہ ہے ۔ حدیث یہ ہے:

"واستأنسوا بحديث ابن عباس رفعه: ((سووا بين أولادكم فى العطية ، فلوكنت مفضلا أحدا لفضلت النسآء .)) أخرجه سعيد بن منصور والبيهقي من طريقه وإسناده حسن ."(فتح الباري : ٥/ ٢٦٨)

''قائلین مساوات نے ابن عباس سے مروی رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے حجت پکڑی ہے کہ ہبہ اور عطیہ میں اپنی

سب اولاد کو برابر رکھا کرو۔ اگر میں ہبہ میں کسی کو ترجیح وتفضیل دینے والا ہوتا تو عورت کو تفضیل (یعنی ہبہ میں لڑکے کے مقابلہ میں اضافہ کی اجازت) دیتا۔''

اس حسن حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ میں ساری اولاد برابر کی حق دار ہے لڑکا ہو یا لڑکی صحت مند ہو یا بیمار، جاہل ہو یا ناخواندہ سب برابر کے حق دار ہیں۔ اور ہمارے نزدیک یہی مسلک راجح اور حدیث صحیح کے ظاہر کے عین مطابق ہے۔ علامہ الشیخ سندھی بھی ہبہ میں مساوات کو واجب کہتے ہیں۔ بہر حال امام بخاری، امام طاوس، عروہ، مجاہد، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ اور داود ظاہری کا قول راجح اور حق ہے۔ اور جو ہبہ جانب داری اور عدمِ مساوات پر مبنی ہو وہ باطل اور حرام ہے۔ لہٰذا آپ کے والد صاحب کا یہ فیصلہ کہ بیٹیوں کو محروم کر کے ساری جائیداد بیٹوں کے نام لگا دی ہے سراسر خلاف شریعت اور ظالمانہ کارروائی ہے۔ اور آپ کا والد عند اللہ مجرم ہے۔

(۲)......رہا آپ کا دوسرا سوال کہ ہم دونوں بہنیں، بہ حیثیت صلبی بیٹیوں کے اپنا شرعی حق مانگنے میں شرعاً حق بہ جانب ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ بلا شبہ اپنا شرعی حق کا مطالبہ کرنے میں شرعاً حق بہ جانب ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کی طرح بیٹیوں کو وارث قرار دیا اور شرعی وارث کا حق شرعاً اور قانوناً تلف نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ سورت نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًاo﴾[النساء:۷]

''ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکے میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی جو (مال) ماں باپ اور خویش واقارب چھوڑ مریں، خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ، اس میں حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔''

اسلام سے قبل ایک یہ ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ اور صرف بڑے لڑکے جو لڑنے کے قابل ہوتے سارے ترکہ کے وارث قرار پاتے۔ اس آیت شریفہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا کہ مردوں کی طرح عورتیں اور بچے بچیاں اپنے والدین اور اقارب کے ترکہ میں حصہ دار ہوں گی، انھیں محروم نہیں کیا جائے گا، چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

"قال سعيد بن جبير و قتاد: كان المشركون يجعلون المال للرجال الكبار ولايورثون النسآء ولا الأطفال شيئًا فانزل الله ﴿للرجال نصيب مماترك الوالدان والاقربون....الخ﴾"

(تفسير ابن كثير:۲/ ۲۰۹)

''سعید بن جبیر اور قتادہ کا قول ہے کہ مشرکین اپنا سارا ترکہ بڑے مردوں کے لیے وقف کر دیتے اور عورتوں اور بچوں کو وراثت میں سے کچھ نہ ملتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکے میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور......الخ۔'' (النساء:۷)''

اس سے ثابت ہوا کہ جس قانون میراث کی بنیاد پر بیٹے والدین کے ترکہ کے وارث قرار پاتے ہیں وہی قانون میراث بیٹیوں کو بھی والدین کے ترکہ کا وارث قرار دیتا ہے۔ لہٰذا بیٹوں کی طرح بیٹیاں بھی والدین کے مال کی شرعی وارث ہیں اور ان کا یہ شرعی حق چھینا نہیں جا سکتا ہے۔ ان کے شرعی حق کو چھیننے والا اللہ عزوجل کی مقرر کردہ حدود کو پھلانگنے والا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌo﴾[النساء:۱۴]

''(قانون میراث اللہ کی مقرر حد ہے) جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر حدوں کی خلاف ورزی کرے گا، اللہ اس کو آگ میں ڈالے گا۔

درآں حال کہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب تیار ہے۔''

لہٰذا اگر بیٹے اپنے والد کی آخرت کا بھلا چاہتے ہیں تو فوراً اپنی بہنوں کا حصہ واپس کریں، ورنہ بیٹے قیامت کے روز اللہ عزوجل کے کٹہرے میں کھڑے ہونے کے لیے تیار رہیں۔

مزید یہ کہ بہنوں کا حصہ واپس نہ لوٹانا اکل بالباطل (حرام طریقے سے مال کھانا) ہے اور اکل بالباطل سراسر حرام ہے، قرآن مجید میں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝﴾

[النساء: ٢٩]

''اے ایمان والو! اپنے درمیان اپنے ہی اموال باطل طریقے سے مت کھاؤ، ہاں، اگر رضامندی کے ساتھ کی گئی تجارت کی صورت میں ہو تو کوئی حرج نہیں اور خود کو قتل مت کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ بہت رحم کرنے والا ہے۔''

خلاصہ کلام یہ کہ آپ دونوں بہنیں اپنے والدین کے مال کی شرعاً وارث ہیں۔ اور اسی قانون میراث کے مطابق وارث ہیں جس کے مطابق بیٹے وارث قرار پاتے ہیں۔ لہٰذا آپ اپنا حق طلب کرنے میں حق بہ جانب ہیں اور آپ کا حق غصب کرنے والے باپ اور بیٹے شرعاً دونوں مجرم ہیں۔ بیٹے اگر اپنے آپ کو اور اپنے والد گرامی کو آخرت کی رسوائی اور سزا سے بچانا چاہتے ہیں تو اپنی دونوں بہنوں کو ان کا حصہ واپس کریں۔ اللہ توفیق دینے والا ہے۔

نوٹ: مفتی کسی قانون سقم کا ہرگز حق دار اور ذمہ دار نہ ہوگا۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب في يوم الحساب.



بقیہ: منشاء عام فطرت کے منافي

کی پہچان کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے جو وحی الٰہی کی روشنی میں ہدایت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ رب کائنات نے خاتم النبیین ﷺ پر ہمہ گیر دائمی ضابطہ حیات ''قرآن حکیم'' نازل فرمایا امام کائنات ﷺ کی سنت اس کی عمدہ تفسیر ہے۔ قرآن و سنت میں قیامت تک پیش آمدہ مسائل کا حل موجود ہے۔ پندرھویں صدی کا تہائی حصہ بیت گیا ہے لیکن مذکورہ احکام میں کوئی خامی نظر نہیں آئی۔ جو اسلام کی صداقت کا بین ثبوت ہے۔

روئے کائنات کی جس دھرتی پر وحی الٰہی کے احکام کو سپریم لا کی آئینی حیثیت رہی، معاشرے میں جرائم کی شرح آٹے میں نمک کے برابر رہی۔ جب سے بنی نوع انسان نے منشا عام کے نظریہ کو اپنایا اُس وقت سے جرائم کی رفتار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ چنانچہ عالمی معاشرے میں امن و سلامتی کا راز خالق کائنات کے نازل کردہ قرآن وسنت کر سپریم لا کی آئینی حیثیت دینے میں مضمر ہے!

تحقیق وتنقید

قسط نمبر ۲ آخری

تعزیت میں میت کے لیے دعائے مغفرت کا مسئلہ

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

مضمون نگار کے دلائل کا جائزہ:

اب ہم مضمون نگار کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا ان سے تعزیت کا مروجہ طریقہ اور تین دن تک اہل میت کے گھر جا کر ہاتھ اُٹھا کر مسلسل اجتماعی دعا کا ثبوت مہیا ہوگیا ہے؟ جس کا مضمون میں بڑی تحدّی سے دعویٰ کیا گیا ہے اور اہل حدیث کے موقف کو بلا دلیل قرار دیا اور علمائے اہل حدیث کا استخفاف کیا گیا ہے جس کا ان کو قطعاً حق حاصل نہیں تھا۔ اگر فاضل مضمون نگار سمجھتے تھے کہ زیر بحث مسئلے میں اہل حدیث کا موقف صحیح نہیں ہے تو اسے سادہ انداز میں بھی پیش کیا جا سکتا تھا اور اپنے دلائل بحث وتحقیق کے لیے علماء کے سامنے رکھے جا سکتے تھے لیکن موصوف نے جو اندازِ نگارش اختیار کیا ہے، اسے کسی لحاظ سے بھی مستحسن اور علماء کے شایانِ شان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہمارے لہجے میں بھی اگر کہیں تلخی محسوس ہو تو اس کی وجہ موصوف کا نامناسب اندازِ بیان ہی ہے۔

موصوف نے ایک اصولی بات یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی مسئلے کے ثبوت کے لیے ایک حدیث بھی کافی ہوتی ہے۔ موصوف کی یہ بات بالکل درست ہے۔ اگر ان کی پیش کردہ احادیث میں سے ایک حدیث سے بھی مسئلہ زیر بحث ثابت ہو جائے گا تو یقیناً وہ حق بہ جانب قرار پائیں گے۔ لیکن موصوف نے بزعم خویش تین احادیث پیش کی ہیں لیکن آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ اپنا موقف ثابت نہیں کر سکے کیوں کہ کسی بھی حدیث کا تعلق زیر بحث رسم سے نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ پہلی حدیث صحیح مسلم کے حوالے سے پیش کی گئی ہے:

''جب ایک صحابی رسول سیدنا ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا اور اپنے جوش ایمانی سے اُنھوں نے خود اس کا اعتراف بھی کر لیا اور اپنے آپ کو رجم کے لیے پیش بھی کر دیا، وہ رجم کر دیے گئے تو اس بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے دو ذہن ہو گئے، بعض نے اس جرأت پر اسے دادِ تحسین دی جب کہ بعض نے اس فعل کو اچھا نہ جانا (یہاں موصوف نے عربی الفاظ کی صحیح ترجمانی نہیں کی، حدیث کے الفاظ ہیں: ''هلك ، لقد احاطت به خطيئته .'' ''وہ ہلاک ہوگیا، اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا۔'' مطلب ان کا یہ تھا کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہوا) پھر وہ (یعنی دونوں قسم کے لوگ) اسی کشمکش میں دو یا تین دن رہے۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ آئے، اس حال میں کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے السلام علیکم کہا، پھر بیٹھ گئے پھر فرمایا: ''ماعز بن مالک کے لیے بخشش ومعافی کی دعا کرو۔'' حاضرین نے دعا کرتے ہوئے کہا: یا باری تعالیٰ! ماعز بن مالک کو بخشش ومعافی سے نواز دے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: ۱۶۹۵)

یہ حدیث بالکل صحیح ہے لیکن آپ غور فرمائیں، اس میں کہیں بھی یہ ذکر ہے کہ آپ ﷺ اہل میت کے گھر گئے، تین دن کے اندر گئے، جب کہ اہل میت تعزیت کے لیے آنے والوں کے لیے دریاں بچھا کر بیٹھے ہوئے تھے، وہاں آپ ﷺ سمیت سب نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی؟

ان میں سے ایک بات بھی اس حدیث میں نہیں ہے جب کہ زیر بحث رسم میں تو یہ تینوں باتیں ہی ہوتی ہیں۔ اجتماع اہل میت کے ہاں ہوتا ہے، تدفین سے اور کھانے پینے سے فراغت کے بعد اہل خانہ

بیٹھے رہتے ہیں، پھر آنے والے کے ساتھ سب ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگتے ہیں، بلکہ مانگتے رہتے ہیں۔

آپ ﷺ کہاں گئے؟ اہل میت کے ہاں؟ نہیں بلکہ ایسے لوگوں کی مجلس میں جو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں مختلف الرائے تھے، حتیٰ کہ ایک گروہ اس سچی اور خالص توبہ کرنے والے صحابی کے بارے میں نہایت نامناسب الفاظ استعمال کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس گروہ کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے فرمایا: اس کے لیے مغفرت کی دعا کرو اور آپ ﷺ کے حکم پر سب نے دعا کی، یعنی اس سارے معاملے کا کوئی تعلق زیر بحث رسم سے قطعاً نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق حسب ضرورت دُعا کرنے سے ہے جسے کوئی بھی ناجائز نہیں کہتا۔

یہاں دعا کرنے اور کرانے کی کیا ضرورت تھی؟ واقعہ سے ازخود واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ماعز نے سچی توبہ کی، اس کے باوجود ایک گروہ ان کے خلاف ان کے حسن خاتمہ کے بارے میں بدگمانی کا شکار تھا اور مختلف چہ میگوئیاں کر رہا تھا، آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے اس کے لیے دعائے مغفرت کر کے اس گروہ کی غلطی کو واضح کیا کہ وہ تو اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق ہو گیا ہے اور تم اس کی بابت ایسی باتیں کر رہے ہو، اسی لیے آپ ﷺ نے دعا سے فارغ ہو کر فرمایا:

((لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لوسعتهم .))

''ماعز نے ایسی خالص توبہ کی ہے کہ اگر اسے ایک بڑے گروہ پر تقسیم کر دیا جائے تو ان کو بھی کافی ہو جائے گی۔''

یہ الفاظ اسی حدیث میں موجود ہیں جس کا موصوف نے حوالہ دیا ہے، ان الفاظ سے اس دعا کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے جو آپ ﷺ نے اہل میت کے ہاں نہیں بلکہ لوگوں کے سامنے کی اور کروائی۔

لیکن موصوف نے اس حدیث سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ ملاحظہ فرمائیں جس سے ان کی حدیث فہمی کی استعداد و صلاحیت کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔ فرماتے ہیں:

''خود سوچیے کہ آپ ﷺ کا ان کے پاس جانا، سلام کہنا، پھر خود حاضرین میں بیٹھ جانا اور کہنا میت کے لیے سب دعا کرو، یہ سب چیزیں کس بات پر دلالت کر رہی ہیں؟ کیا اس سے ثابت نہیں ہو رہا کہ اہل میت کے ہاں جا کر حاضرین کو میت کے لیے دعا کرنے کا کہہ سکتے ہیں اور جب ان کو دعا کرنے کا کہیں گے تو کیا آپ خود اس دعا میں شامل نہیں ہوں گے؟''

سبحان اللہ! کیا خوب استدلال ہے؟ یعنی موصوف کے ذہن میں جو مفروضات ہیں وہ حدیث کے سر مڑھ رہے ہیں۔ محترم! آپ پہلے حدیث کے کسی لفظ سے یہ تو ثابت فرمائیں کہ نبی ﷺ جہاں تشریف لے گئے تھے، وہ اہل میت کا گھر تھا۔ دوسرا، حاضرین کے لفظ سے لوگوں کو مغالطے میں نہ ڈالیں، بلکہ حدیث سے یہ واضح کریں کہ یہ حاضرین وہ تھے جو اہل میت کے ہاں تعزیت کے لیے جمع تھے۔ ورنہ حدیث سے تو یہ صاف واضح ہے کہ لوگ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے موقع غنیمت جانا، اگرچہ واقعہ پر دو تین دن گزر چکے تھے، پھر بھی آپ ﷺ نے لوگوں کی چہ می گوئیوں کو ختم کرنے کے لیے دعا کر کے حضرت ماعز کے حسن خاتمہ کی وضاحت فرما دی۔ بات تو صرف اتنی ہی ہے جو حدیث سے واضح ہو رہی ہے۔ اس سے زیر بحث مروجہ رسم کا جواز کشید کرنا یا اس کو اس پر چسپاں کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے جس پر اہل بدعت تو شاید داد دے دیں لیکن حدیث کا صحیح فہم رکھنے والا اس استدلال سے اتفاق نہیں کر سکتا۔

موصوف کو بھی آگے چل کر یہ کھٹک پیدا ہوئی ہے کہ دعا کا یہ واقعہ تو اہل میت کے گھر کا نہیں ہے۔ لیکن سخن سازی کے ذریعے اپنے استدلال کو صحیح ثابت کرنے کے لیے عجیب و غریب باتیں کی ہیں جو ''کیا بات بنے جہاں بات بنائے نہ بنے'' کی مصداق ہیں، اس لیے ہم ان سے صرف نظر کرتے ہوئے دوسری حدیث کا جائزہ پیش کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

''اسی دعا کے بارے میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں جس میں اس دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانے کا بھی ذکر ہے۔''

آغاز ہی مغالطہ انگیزی سے کیا گیا ہے۔یعنی ''اسی دعا'' اور ''اس دعا'' کے الفاظ سے یہ مغالطہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث کا تعلق بھی اسی مروجہ رسم سے ہے جو زیر بحث ہے حالانکہ اس کا بھی کوئی تعلق مسئلہ زیر بحث سے نہیں ہے جیسا کہ ابھی آپ دیکھیں گے۔

حدیث ملاحظہ فرمائیں:

''سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے اور میرے چچا ابوعامر کو رسول اللہ ﷺ نے ایک جنگ میں بھیجا۔ میرے چچا اس جنگ میں جام شہادت نوش کر گئے۔شہید ہوتے وقت اُنھوں نے مجھے امیر لشکر بنا دیا اور کہہ گئے: بھتیجے! اللہ کے نبی کو میرا اسلام پہنچانا اور ان سے کہنا: میرے لیے بخشش کی دعا کر دیں۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اپنے چچا جان ابوعامر کا سلام پہنچایا اور ان کے لیے بخشش کی دعا کی درخواست پیش کی۔آپ ﷺ نے پانی منگوایا، اس سے وضو کیا، پھر دونوں ہاتھ اُٹھائے اور دعا کرتے ہوئے فرمایا: ''اے باری تعالیٰ: اپنے بندے ابوعامر کو معاف کر دے۔'' آپ ﷺ نے ہاتھ اس قدر اُٹھائے کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھ لی۔ پھر آپ ﷺ نے (مزید دعا کرتے ہوئے) فرمایا: ''اے باری تعالیٰ! روز قیامت اسے اپنی مخلوق سے اُونچا مقام عطا فرمانا۔'' ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (موقع کو غنیمت جانتے ہوئے) میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے بھی بخشش کی دعا فرما دیجیے! نبی کریم ﷺ نے (میرے لیے بھی دعا کرتے ہوئے) فرمایا: ''اے باری تعالیٰ! عبداللہ بن قیس کے گناہ معاف فرما دے اور روز قیامت اسے باعزت داخلے کی جگہ میں داخل فرمانا۔'' (صحیح بخاری، حدیث: ۴۳۲۳)

اس حدیث پر بھی آپ غور فرمائیں کہ اس کا بھی ادنیٰ سا تعلق زیر بحث رسم یا مسئلے سے نہیں ہے۔اس میں اگر یہ ہوتا کہ آپ ﷺ ابوعامر کی شہادت کی خبر سن کر تعزیت کے لیے ان کے گھر گئے اور وہاں جا کر مذکورہ دعا کی۔تب تو بات واضح تھی اور اصل زیر بحث مسئلہ بھی یہی ہے۔لیکن اس میں اس کی طرف تو کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔

اس میں تو وہی بات ہے جو ہم نے پہلے بھی عرض کی ہے کہ دعا ہر وقت اور ہر جگہ ہاتھ اُٹھا کر یا ہاتھ اُٹھائے بغیر کی جا سکتی ہے۔ یہاں بھی آپ ﷺ کے پاس آ کر اُنھوں نے شہادت کی خبر دی اور ان کی درخواستِ دعا بھی پیش کی۔گویا یہاں بھی دعا کی ایک خاص ضرورت پیش آ گئی، آپ ﷺ نے دعا فرما دی، حتیٰ کہ بھتیجے نے بھی موقع غنیمت جانتے ہوئے اپنے لیے بھی دعا کی درخواست کر دی، حالانکہ وہ تو زندہ ہی تھے، نہ کہ تعزیت کا موقع تھا۔آپ ﷺ نے ان کے لیے بھی دعا فرما دی۔اس کا اہل میت کے ہاں جا کر تعزیت کرنے کی رسم سے کیا تعلق؟ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی، جو حدیث وفقہ الحدیث میں ایک نہایت امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ یہ حدیث اُنھوں نے کتاب المغازی کے باب جنگ اوطاس میں درج کی ہے۔ پھر اپنے خداداد تفقہ اور قوت استنباط کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کے جزوی حصے دو اور مقامات پر ذکر کیے ہیں اور ان سے دو مسئلے ثابت فرمائے ہیں:

۱: کتاب الدعوات (باب:۱۹، ترجمۃ الباب) میں ایک مسئلہ اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ دعا کے وقت اپنی ذات کو شریک کیے بغیر صرف اپنے مسلمان بھائی کے لیے دعا کرنی جائز ہے۔ جیسے اس واقعے میں آپ ﷺ نے صرف ابوعامر اور عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعری) کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور خود کو اس دعا میں شریک نہیں کیا۔

۲: دوسرا مسئلہ اس سے یہ ثابت کیا کہ دعا کے وقت ہاتھ اُٹھانا جائز ہے۔حدیث کے الفاظ'' پھر آپ ﷺ نے (دعا کے لیے) ہاتھ

اُٹھائے‘‘ سے استدلال کرتے ہوئے باب باندھا:

باب رفع الایدی فی الدعاء (الدعوات، باب :٢٣، ترجمة الباب)

لیکن فاضل مضمون نگار نے اس سے جو مسئلہ ثابت کرنا چاہا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا اشارہ تک نہیں کیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس حدیث کو خورد بین لگا کر بھی دیکھا جائے تو اس میں موصوف کی بیان کردہ بات نہیں ملے گی جو امام بخاری سمیت کسی بھی محدث اور شارح کو نظر نہیں آئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی بھی ہر حدیث سے دسیوں، بیسیوں مسئلوں کا اثبات کرتے ہیں لیکن اُنھوں نے بھی اس حدیث سے صرف دو مسئلوں کا استنباط کیا ہے، ایک تو وہی جس کا اثبات امام بخاری نے کیا ہے کہ دعا میں ہاتھوں کا اُٹھانا مستحب ہے۔ دوسرا، دعا کے وقت وضو کرنے کا استحباب۔ (دیکھیے حدیث ٤٣٢٣ کی شرح، باب اوطاس)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ذہن رسا وہاں تک نہیں پہنچ سکا جہاں مضمون نگار کا پہنچ گیا ہے۔ لیکن ان کے ذہن کی یہ رسائی تو جیه الحدیث بما لا یتحمله الحدیث کی آئینہ دار ہے۔ اعاذنا الله منه.

موصوف کی فہم حدیث کی استعداد اسی سے واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ دونوں حدیثوں یا دونوں واقعات کو کسی بھی محدث نے کتاب الجنائز یا باب التعزیۃ میں ذکر نہیں کیا۔ علمائے اہل حدیث نے بھی جنھوں نے جنازے کے مسائل پر نہایت دقیق نظری سے کتابیں لکھی ہیں اور تعزیت کے مسائل بھی لکھے ہیں، کسی میں بھی ان دونوں واقعات کا تعزیت کے باب میں اشارہ تک نہیں ہے۔ مولانا عبدالرحمان مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی کی کتاب الجنائز (اردو) اور شیخ البانی رحمہ اللہ کی کتاب الجنائز (عربی) دیکھ لیں۔ آپ کو یہ نادر استدلال نہیں ملے گا۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ:

تیسری حدیث جس سے موصوف نے استدلال کیا ہے، وہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ جب ان کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔

یہ واقعہ صحیح مسلم کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ لیکن صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ دیکھنے سے واضح ہے کہ اس کا تعلق بھی اس زیر بحث رسم تعزیت سے نہیں ہے جو میت کی تدفین کے بعد گھر میں جمع ہو کر اہل میت سے کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جب کہ ان کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بند کیا، پھر فرمایا: جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھیں اس کا تعاقب کرتی ہیں۔ (گویا آنکھوں کے پھٹے ہونے کی توضیح فرمائی)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر ان کے گھر والے چیخے، (یعنی ان کو وفات کا یقین ہو گیا جس پر ان کی چیخیں نکل گئیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے نفسوں کے بارے میں سوائے بھلائی کے کوئی بری بات مت کرو (یعنی بین وغیرہ مت کرو جس میں اپنے ہی بارے میں بددعائیں بھی زبان سے نکل جاتی ہیں) اس لیے کہ تم جو کہتے ہو، اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔‘‘

پھر آپ نے حضرت ابوسلمہ کے لیے مغفرت کی وہ دعا فرمائی جو مضمون میں نقل کی گئی ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: ٩٢٠)

اس واقعے پر غور فرمائیں۔ ابھی روح قبض ہی ہوئی ہے، لاش گھر ہی میں ہے، ابھی غسل، کفن، نماز جنازہ، تدفین سارے کام ہونے باقی ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں گھر کا ماحول سوگوار ہے، کہیں جذبات میں اہل خانہ غیر شرعی بین کرنا نہ شروع کر دیں اور اپنے آپ ہی پر بددعا نہ کرنے لگ جائیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تو گھر والوں کو اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی تلقین اور صبر وضبط کی تاکید کی۔ دوسرا،

مرنے والے کے لیے مغفرت کی دعا (بغیر ہاتھ اُٹھائے) فرمائی۔اس لیے کہ دعا ہر وقت کی جا سکتی ہے۔یہاں بھی آپ نے ضرورت محسوس کی اور میت کے لیے اور مرنے والے کے پس ماندگان کے لیے بھی دعا فرمائی۔ یہ تو ہے واقعے کی اصل نوعیت جو حدیث کے الفاظ سے واضح ہے۔

اس میں زیر بحث رسم تعزیت کا کوئی اشارہ بھی ہے جو تدفین سے فراغت کے بعد دریاں بچھا کر فاتحہ خوانی کے نام سے تین دن تک جاری رہتی ہے؟ کیا تدفین کے بعد آپ ﷺ نے ان کے گھر جا کر یا دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے جا کر تعزیت کی؟ حدیث میں اگر ایسا اشارہ ہوتا پھر تو موصوف کا اس حدیث یا اس واقعے سے استدلال کرنا ٹھیک ہو سکتا تھا۔لیکن فاضل مضمون نگار کی حدیث فہمی دیکھیے! فرماتے ہیں:

''یہ حدیث اس بارے میں بہت واضح ہے اور روایت بھی صحیح مسلم کی ہے، اب تو کوئی اشکال باقی نہیں رہنا چاہیے، شاید اسی لیے بہت سے علمائے کرام اس دعا کے قائل ہیں۔''

ہم موصوف سے پوچھتے ہیں، ''اس بارے میں'' سے ان کی کیا مراد ہے۔زیر بحث مجلس تعزیت؟ ظاہر بات ہے موصوف کی مراد وہی ہے۔لیکن وہ اس حدیث میں کہاں ہے؟ اشکال تو اپنی جگہ باقی ہے۔ اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ جہاں بھی اور جب بھی دعا کی ضرورت ہو تو وہاں دعا کرنا جائز اور مستحب ہے، جیسا کہ ہمارا موقف ہے اور شرعی دلائل کا اقتضا ہے تو وہ واقعی اس حدیث سے اس کا اثبات ہو رہا ہے اور فی الواقع اس میں کوئی اشکال نہیں۔علمائے اہل حدیث اسی موقف کے قائل ہیں، آپ اپنا موقف جو ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں، وہ خلاف واقعہ ہے۔کوئی اہل حدیث عالم کسی بدعتی رسم کا قائل نہیں ہو سکتا۔

بہر حال خلاصہ ساری بحث کا یہ ہے کہ اہل حدیث کی بابت یہ کہنا کہ یہ میت کے لیے مغفرت کی دعا نہیں کرتے، بدترین جھوٹ ہے۔ میت کے لیے مغفرت کی دعا صرف اہل حدیث ہی کرتے ہیں لیکن مسنون طریقے سے۔دوسرے دعائے مغفرت نہیں کرتے، صرف رسم ادا کرتے ہیں۔وما علینا الا البلاغ.

پروفیسر عبدالستار غوری کا انتقال

پروفیسر عبدالستار غوری صاحب (سینئر پروفیسر پنجاب یونیورسٹی لاہور) گزشتہ دنوں رحلت فرما گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔
مرحوم راقم کے سسرالی خاندان کے بزرگ تھے۔قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔نماز جنازہ پروفیسر محمد حماد لکھوی صاحب خطیب جامع مسجد مبارک لاہور نے پڑھائی۔

امیر حمزہ حماد طور، گوجرانوالہ۔ 0333-8112611



نقطۂ نظر

منشاعام فطرت کے منافی

عطاء محمد جنجوعہ

سترھویں صدی عیسوی میں فرانس کے فلسفی روسو نے منشا عام کا نظریہ پیش کیا کہ اختیار کے اصل مالک عوام ہیں کیوں کہ انسان خیر وشر میں خود تمیز کرسکتا ہے جس رائے پر عوام کی کثرت اعتماد کا اظہار کرے وہی معیار حق ہے۔

سوچنے کا مقام ہے کہ روئے کائنات پر ہندو خود تراشیدہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں جب کہ نصاریٰ عقیدہ تثلیث کے قائل ہیں۔لیکن مسلمان اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں اگر ہر انسان حق و باطل میں تمیز کرسکتا ہے تو خالق کائنات کی ذات وصفات سے متعلق بنی نوع انسان میں اختلاف کیوں ہے؟

اللہ ذوالجلال نے بنی نوع انسان کی ہدایت وراہ نمائی کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے یہودیوں میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک انبیاء کرام کی بعثت کا تصور موجود ہے نصاریٰ ان کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نبی تسلیم کرتے ہیں اگر انسان سیدھے اور ٹیڑھے راستہ میں پہچان کرسکتا تھا تو انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا کیا مقصد؟

عالمی معاشرہ میں قتل و غارت ، چوری ڈکیتی اور بدکاری کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔اگر ہر انسان خود خیر وشر میں تمیز کرسکتا ہوتا تو معاشرہ میں اخلاقی جرائم کا ارتکاب کیوں ہے؟

جانوروں کی افزائش نسل کے لیے نر اور مادہ کا ملاپ ضروری ہے اگر ایک نر دوسرے نر اور ایک مادہ دوسرے مادہ سے ملاپ کرتے رہیں افزائش نسل کا سبب نہیں بن سکتے۔اہل مغرب کے قانون ساز ادارے یکے بعد گیرے ہم جنس پرستی کے عمل کو قانونی جواز فراہم کر رہے ہیں۔اہل مغرب اپنے پیکج کو دوسرے ممالک میں بزور قوت رائج کر رہے ہیں توجہ طلب پہلو ہے کہ اس طرح افزائش نسل کا تولیدی سلسلہ جاری رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔کیا نظریہ منشا فطرت انسانی کے مطابق ہے؟

اہل مغرب کے کروڑوں افراد بالغ رائے دہی کی بنیاد پر تین چار صد نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں جو حکومتی نظام چلانے کے لیے دستور تشکیل دیتے ہیں اور معاشرہ میں جرائم کے خاتمہ کے لیے بحث مباحثہ کے بعد منشا عام کی بنیاد پر قانون وضع کرتے ہیں زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ ان کے نقائص ظاہر ہو جاتے ہیں تو وہی ارکان اسے تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ، پارلیمنٹ کو رد و بدل اور ترمیم کرنے کا اختیار اس امر کا بین ثبوت ہے کہ انسانوں کے بنائے ضابطے اور قانون نقائص سے پاک نہیں ہوسکتے جب سے اہل مغرب نے وحی الٰہی کے احکام کو پس پشت ڈال کر جرائم کے خاتمہ کے اختیارات منتخب ارکان کو سونپ دیے تو جرائم کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔

روزمرہ زندگی کا مشاہدہ ہے کہ مشینی آلات کے مفید اور ضرر رساں پہلو کو اس کا موجد بخوبی سمجھ سکتا ہے۔اس میں ممکنہ جنم لینے والی خرابیوں کا ازالہ درست انداز میں کرسکتا ہے اسی طرح بنی نوع انسان میں ممکنہ شر انگیز اقدام کے سدباب کے لیے پائندہ وتابندہ ضابطے وہی تجویز کرسکتا ہے جو ان کا خالق ہے۔اللہ رحیم وکریم نے انسانوں میں خیر وشر

(باقی صفحہ ۴۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

نقد و نظر كلمة حق اريد بها الباطل

’’علماء اہل حدیث کا ذوقِ تصوف‘‘ ایک نظر میں

(مولانا) ابوعمار عمر فاروق السعیدی، منڈی واربرٹن

چند مہینے پہلے کی بات ہے کہ ایک خوش شکل، خوش لباس، خوش اطوار شخصیت نیاز مندوں کے جلو میں دفتر الاعتصام میں جلوہ افروز ہوئی تعارف تو تھا نہیں ان کے ارشاد فرمانے پر علم ہوا کہ ان کا اسم گرامی جناب حکیم طارق محمود چغتائی مجذوبی ہے کتابی دنیا کی معرفت ان کے نام سے آشنائی تو تھی لیکن ملاقات پہلی بار ہوئی وہ موسم اور میری عمر کی مناسبت سے اپنے دواخانہ کی بعض ادویات کا ہدیہ بھی ہمراہ لائے تھے، جنھیں ’’تبرک‘‘ جانتے ہوئے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ۔

مزنگ چونگی میں ایک مرتبہ جمعرات کے دن مدرسہ مصباح القرآن کے ایک قدیم شاگرد کے ہاں جانا ہوا تو وہاں غیر معمولی ہجوم عاشقاں نظر آیا۔ عزیز برخوردار نے بتایا کہ حضرت حکیم طارق محمود چغتائی یہاں ہر جمعرات کو ملفوظات بیان فرماتے ہیں۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ اتنی بڑی شخصیت نے راقم آثم کو شرف زیارت سے نوازا۔ دوران گفتگو علم ہوا جناب حکیم صاحب میرے شفیق ترین استاذ گرامی حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب سیتاپوری رحمہ اللہ کے عقیدت مند اور آپ کے صاحبزادے حافظ قاری مفتی عبدالرشید رحمہ اللہ کے ارادت مند ہیں کہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ سے احقر کو ٦٣-٦٤ء میں حضرت الاستاذ کی خدمت میں شرف ہم سبقی نصیب رہا۔

جناب حکیم صاحب نے وجہ آمد بتاتے ہوئے فرمایا کہ اُنھوں نے ’’اہل حدیث کا ذوق تصوف‘‘ کے نام سے ایک کتاب مرتب کی ہے جس پر مختلف اہل حدیث علماء وحضرات اپنی آراء اور خیالات کا تحریری صورت میں اظہار فرما چکے ہیں۔ گویا وجہ آمد اُن کی یہی خواہش تھی، احقر نے اپنی نااہلی کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت کی اور ساتھ ہی عرض کیا کہ کتاب دیکھے بغیر رائے کا اظہار نہ ہی ممکن ہے اور نہ ہی مناسب۔ جناب حکیم صاحب نے اظہار محبت یوں فرمایا کہ کتاب طبع ہوتے ہی ایک نسخہ کا ہدیہ روانہ فرمایا اور ساتھ ہی کتاب پر تبصرے کی خواہش کا حکم بھی دے دیا، لیکن کتاب دیکھی تو اس کی ضخامت میری جسامت سے بہت زیادہ تھی لیکن حکیم صاحب کی دانائی کا معترف ہوگیا کہ وہ غالباً حالات کی ایسی ہی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادویات کا ہدیہ پہلے ہی عطا فرما گئے تھے کہ کم از کم ان خالص ادویہ کے استعمال سے کتاب اُٹھانے کی طاقت تو آ ہی جائے گی۔

ادارہ الاعتصام کے طلب کرنے پر حکیم صاحب نے تبصرہ کے لیے دوسرا نسخہ بھی بھجوا دیا۔ کتاب دیکھ کر اندازہ ہوا کہ میرے جیسے کاہل انسان کو یہ کتاب پڑھنے کے لیے عمر نوح علیہ السلام اور صبر ایوب علیہ السلام درکار ہوگا جو ناممکنات میں سے تھا۔ انھی دنوں ہمارے فاضل صدیق سعید جناب مولانا عمر فاروق سعیدی حفظہ اللہ تشریف لائے تو میں نے تبصرہ کے لیے کتاب ان کی خدمت میں پیش کردی کہ وہ صوفیوں کی زبان میں علم ظاہری...... قرآن وحدیث...... کے بھی شناور تھے۔ اور علم باطنی اُنھوں نے اپنے والد گرامی مولانا عبدالعزیز سعیدی رحمہ اللہ سے اخذ کیا تھا کہ احقر کو بھی مولانا سعیدی رحمہ اللہ سے نیاز حاصل تھا۔ کتاب...... پڑھی نہیں...... دیکھی تو محسوس ہوا کہ جناب حکیم صاحب نے اہل حدیث علماء کی تصانیف میں بکھرے ہوئے ہر بزرگ کے ذاتی متصوفانہ افکار اور معمولاتِ یومیہ کے اوراد و اذکار، جنھیں کلی طور مسنون نہیں کہا جا سکتا کہ اس >>

>> میں زیادہ تر علماء کے تجربات شامل ہوتے ہیں، یکجا کر دیے ہیں اوران کی کرامات کوتصوف کا مظہر بنا کر جمع ہی نہیں بلکہ نمایاں کیا ہے۔ ۱۲۵۰صفحات کی اس کتاب میں ۷ ۲۰صفحات تاثرات کے اور۲۹صفحات میں ماخوذ اقتباسات کی فہرست ہے۔تاثرات پڑھ کر اندازہ ہوا کہ جناب حکیم صاحب نے اپنی خوش گفتاری کے سحر سے علمائے کرام سے کتاب دکھائے بغیران کے بیان کردہ جذبات کوالفاظ کالبادہ پہنا کران کو تاثرات کا نام دے ڈالا ہے۔اس کتاب میں ہزار صفحات کے قریب تو کتب قدیم کے فوٹوسٹیٹ اور۱۳۱۸صفحات ان کی جدید کمپوزنگ ہیں۔

گویا دو ہزار چھ صد تیس (۲۶۳۰)صفحات کی کتاب میں دوصد چھتیس صفحات میں بکھرے وہ تأثرات ہیں جوحکیم صاحب چند ثقہ علماء اور بعض نو آموز جوان ونوجوان علماء کو اپنی متصوفانہ گفتگو سے انھیں زیر دام لانے میں کامیاب ہو گئے تھے یعنی کہ باقی دو ہزار چار صد صفحات (فوٹوسٹیٹ اورانھی کی کمپوزنگ)اہل حدیث کے تصوف کی ہیبت بٹھانے کی دجل آمیز سعی ہے۔

کرامت کا انکار تو کوئی بھی نہیں کرتا کہ کرامت غیر اختیاری ہوتی ہے اس کا وقوع یا ظہور کس سے ہوتا؟ یا کس وقت ہو؟ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکتا کہ نہ جانے اللہ تعالیٰ کو اپنے کس بندے کی کون سی ادا پسند آجائے یا اللہ اپنے کسی بندے کے مان کو کب پورا کرے یہ وہی جانتا ہے اور محقق صوفیاء تو کرامت کو کچھ ''اور'' ہی کہتے ہیں لیکن راہ ہدایت اور مظہرِ نجات تو صرف اطاعت رسول ﷺ ہی ہے۔کوئی کرامت یا اُس کا ظہور نہیں۔اہل اللہ ہمیشہ سے ذکر الٰہی کا حسب توفیق اہتمام کرتے رہے،قرآن وحدیث کی با قاعدہ تدریس سے بڑا اللہ کا ذکر کیا ہوسکتا ہے،اور جوخوش نصیب عمل بالحدیث کا اہتمام اور سنن رسول ﷺ کا التزام کرتا ہے اس سے بڑا ''صوفی'' کون ہوسکتا ہے؟ اس لیے اہم بات یہ ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک نبی ﷺ کے سوا کسی اُمتی کا قول،فعل اور تجربہ قابل حجت نہیں اور نہ ہی کوئی اہل حدیث اس کو دین سمجھتا ہے۔بعد میں شروع کیے جانے والے سلسلہ ہائے تصوف سے علمائے اہل حدیث کو آلودہ کرنا کسی بھی درجہ میں انصاف نہیں عامل بالحدیث علماء کا مسنون طریق حیات اپنانے والوں کے مقام کو دور حاضر کا معروف تصوف کیا جائے؟ یہ سب طریقہ ہائے استدلال نامناسب ہیں یہ کتاب جمع کرنے کی غرض وغایت کے بارے میں صرف یہی کہنا کافی ہے کہ كلمة حق أريد بها الباطل۔ لیجیے،اب آپ پہلے برادر گرامی مولانا سعیدی حفظہ اللہ کا تبصرہ سعید پڑھیے اوراگلی اشاعت میں ایک فاضل نوجوان ڈاکٹر محمد زبیر کا اجمالی تبصرہ ملاحظہ فرمائیں برادرِ عزیز ڈاکٹر محمد زبیر صاحب سے ہم تفصیلی تبصرے کی توقع بھی رکھتے ہیں۔(احمد شاکر)

راقم الحروف کو انھی دنوں ایک ضخیم کتاب بہ عنوان ''علماء اہل حدیث کا ذوقِ تصوف'' دیکھنے کا موقع ملا ہے جو حکیم محمد طارق محمود چغتائی مجذوبی صاحب نے ترتیب دی ہے۔اس سے پہلے مصنف موصوف کی طبی کتب ہی دیکھی تھیں مگر اب معلوم ہوا کہ آنجناب ''ذوقِ طبابت'' کے شناور ہی نہیں بلکہ بہ طور دعوت وتحریک کے ایک وسیع حلقے کے سربراہ بھی ہیں۔اللہ عزوجل ہر صاحبِ ایمان کی حسنات قبول فرمائے اور کمزوریوں پر پردہ ڈالتے ہوئے درگزر فرمائے،آمین۔

ہمیں بحمداللہ تعالیٰ اللہ والوں سے دلی محبت ہے،ان کی صحبت کو اپنے لیے روحانی تسکین اور ایمان وعمل میں اضافے کا باعث اور ان کے ارشادات کو ایک قیمتی سرمایہ سمجھتے ہیں۔

پیش نظر ضخیم کتاب (۲۳۶۰صفحات) کی ابتدا میں علمائے اہل حدیث (موجودین اور کچھ سابقین) کے مضامین،ان کے عملیات اور کرامات وغیرہ کو جمع کیا گیا ہے۔مقالات میں تقریباً سبھی حضرات نے بجا طور پر شرعی اور مسنون احسان وتزکیے کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیا ہے۔اوران سب کے نزدیک ''تصوف'' کا یہی مسنون معنیٰ اور مفہوم ہی مراد ہے۔کیوں کہ خیر القرون میں یہ نام اور اصطلاح

موجود نہیں تھی۔ راقم الحروف یہ ذہن رکھتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے شرعی اصطلاحات ہی کو رواج دیا جائے، ان کی حفاظت کی جائے اور ان معانی و مفاہیم پر عجمی الفاظ کو حتی الامکان غالب نہ آنے دیا جائے۔

اور کسی بھی صاحبِ علم کو اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اسلام و ایمان کے بعد درجۂ احسان کے لیے محنت کرنا انتہائی ضروری ہے جیسا کہ حدیث جبریل علیہ السلام کے مضمون کا تقاضا ہے۔ اس مرتبہ و مقام سے غافل اور بے پروا مسلمان بڑا ہی بے نصیب اور بے انتہا محروم ہے!

اساتذہ و مشائخ سے جس طرح اسلام و ایمان اور دین و شریعت کا سبق لیا جاتا ہے اور لیتے رہنا چاہیے، احسان و تزکیہ کا درس بھی انھی سے ملتا ہے۔ ایک دور میں اساتذہ کرام یہ سبق اپنے طلبہ کو خصوصیت سے دیا کرتے تھے بلکہ ان کی صحبتِ صالحہ ہی ایسا پارس ہوتی تھی کہ ان کی مجلس میں بیٹھنے والے، خواہ باقاعدہ طالب علم ہوتے یا عامی بالعموم، بلا تکلف کندن ہو جاتے تھے۔

اور اب اس حقیقتِ واقعیہ سے بھی انکار نہیں ہے کہ ہر آنے والے دن میں علم اُٹھ رہا ہے۔ زبان آور خطیب اور مشاق قلم کاروں کی کمی نہیں۔ کتابیں خوب صورت سے خوب صورت اور مدارس کی عمارت قلب و نگاہ کو خیرہ کرنے والی مگر دلوں کی دنیا ہے کہ اجڑ رہی ہے! اہل اللہ اور اہل قلب جنھیں دیکھ کر اللہ یاد آئے، دور کہیں پوشیدہ ہوں تو ہوں، نظر نہیں آرہے۔

مسنون عبادت، خشوع و خضوع اور اس کے لیے سبقت کا شوق کم ہو رہا ہے۔ تلاوتِ قرآن کی پابندی اور اذکار مسنونہ کے لیے وقت نہ نکال پانا حلقاتِ علمیہ شرعیہ کا بھی ایک اجتماعی المیہ ہے۔ اس مشکل کے لیے اہل نظر اساتذہ کرام اور دُعاۃ و خطباءِ عظام کو فکر کرنی چاہیے کہ اپنے طلبہ اور مستفیدین میں یہ تڑپ پیدا کریں کہ تعلق باللہ کے بغیر نہ ہماری یہ دنیا ہے نہ وہ ع

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تُو!

اور مسنون و مشروع احسان و تزکیہ یا تصوف (اگر اس نام ہی پر اصرار ہو) تو صرف یہی ہے کہ ایک کلمہ گو میں اپنے اللہ، اس کے رسول اور اس کی شریعت کے لیے فی الواقع ہمہ جہت تسلیم و رضا آ جائے۔ دلی توجہات اللہ عزوجل کی محبت میں ڈوب جائیں اور اس کی مخلصانہ عبادت کے ساتھ ساتھ معاشرتی و ملی معاملات بھی اسی بنیاد پر سرانجام پائیں۔

مسنون و مشروع احسان و تزکیہ (یا تصوف) بندے کو کسی تسبیح خانے یا مراقبہ ہال میں نہیں لے جاتا بلکہ مسجد کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اس کے اندر لذتِ عبادت کے ساتھ ساتھ خاندانی، معاشرتی اور ملی خدمات کے لیے جذبات جوش میں آتے ہیں حتیٰ کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے میدان جہاد و قتال میں اپنی جان فدا کر دینا اس کے لیے سب سے بڑھ کر مرغوب عمل بن جاتا ہے۔

ہم جناب حکیم چغتائی مجذوبی صاحب، ان کے ہم نواؤں اور ان کی تحریک کی اسی قدر تائید و توثیق کر سکتے ہیں جس قدر ہمارے اہل حدیث بزرگ علماء نے اس کتاب کے شروع کے بیانات میں بہ تکرار ذکر کیا ہے۔ اگرچہ چند جملے یا کچھ جزئیات ان میں بھی محل نظر ہیں، مثلاً: ''ذوقِ تصوف'' کی ترکیب بہ کثرت استعمال کی گئی ہے۔ جب کہ احسان و تزکیہ (یا تصوف) ''ذوق'' کی چیز نہیں، ایک دینی و شرعی مطالبہ ہے۔ اس کے بغیر دین و ایمان ناقص ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ [البقرة:١٦٥]

''اور اہل ایمان تو اپنے اللہ سے بے پناہ محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔''

اور اسی کی مماثل دیگر ترکیبوں، مثلاً: ذوقِ نماز، ذوقِ روزہ اور ذوقِ صدقہ سے طبیعت اِبا کرتی ہے۔ یہ شرعی مطالبات ہیں۔ خواہ دل چاہے یا نہ چاہے، ایک مسلمان کے لیے ان کی ادائیگی واجب ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے:

"بایعنا رسول الله ﷺ علی السمع والطاعة

فی منشطنا و مکرھنا و عسرنا و یسرنا."

(صحیح بخاری: ۷۰۵٦)

''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سمع وطاعت (سننے اور ماننے) کی بیعت کی کہ تنگی، ترشی اور فرحت و ناخوشی ہر حال میں آپ ﷺ کی بات سنیں گے اور مانیں گے۔''

اسلام اور ایمان کے بعد بس یہی ذوق رہ جاتا ہے کہ وہ فرمائیں اور ہم مانتے جائیں، علیہ الصلاۃ والسلام.

محض ذوق اور لذت وتسکین کے لیے عبادت یا ذکر کرنا ہوائے نفس ہے، رب کی عبادت نہیں۔ ہاں، اسی میں تسکین کا حصول ایک اونچا مقام ہے۔ اور اہل نظر بہ خوبی جانتے ہیں کہ اہل حدیث کے علاوہ دیگر (صوفی اور سالکین طریقت) کے نزدیک تصور شیخ، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، کشف القلوب یا کشفِ قبور ایسے اُمور اور مسائل ہیں کہ ان منازل کو طے کرنا اور کرانا مزعومہ مقام ولایت کے لیے ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ یہ مسائل خانقاہوں اور درگاہوں میں بڑی شدت کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں اور سالکین کو اس راہ پر چلایا جاتا ہے اور کہیں دھیمے انداز میں ان سے غض بصر کی ترغیب وتلقین کی جاتی ہے جیسے راقم کو پیش نظر کتاب کی ترتیب سے شبہ ہوا ہے۔

اور بجا ہے کہ دینی و دنیاوی مشکلات میں نیک و صالح بزرگوں سے ان کی حیات میں دعائیں کروانا جائز ہے مگر ان حضرات کا ''اپنے اللہ سے جھگڑ کر'' مریدوں کے مقاصد حل کروانا، یہ کس قسم کے احسان وتزکیے کی صورت ہے، جب کہ دعا کروانے اور کرنے والے دونوں کے لیے ایک بڑا فتنہ ہے، چنانچہ اس درکو چوپٹ کھول دینے کا وہی کچھ نتیجہ نکلتا ہے جو اس ملک میں جگہ جگہ تشریف فرما گدی نشین کر رہے ہیں اور مزاروں پر ہوتا ہم دیکھ سکتے ہیں، وإلی اللہ المشتکی.

مخلوق میں بے شمار روحانی بیماریوں کے علاج کے لیے سب سے پہلی ذمہ داری ہمارے اہل اللہ اور اہل دل حضرات پر یہ عائد ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو اسلام وایمان کے بنیادی اور اہم ترین تقاضوں کے تحت اللہ تعالیٰ کے لیے تسلیم ورضا پر آمادہ کریں۔ تقدیر پر ایمان کی حقیقت ان کے دلوں میں راسخ کریں انھیں لایعنی اوہام وشبہات سے نکالیں اور شیطانی حملوں کا باعث بننے والے اعمال سے متنبہ کریں۔ اور پابند کریں کہ شرک وکفر اور فسق سے باز آئیں، حرام سے بچیں، فرائض کی پابندی کریں اور مسنون دم اور اذکار کو اپنائیں اور یہ کہ یہ کام وہ خود کریں جیسے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین بالاحسان کا معمول تھا۔ اور انھیں یقین دلائیں کہ جائز دوا کے ساتھ ساتھ آپ لوگ جب خود دم کریں گے تو ان شاء اللہ ان خوش نصیب لوگوں میں شمار ہوں گے جو بلاحساب کتاب جنت میں جائیں گے:

((لا یکتوون ولا یسترقون ولا یتطیّرون وعلی ربھم یتوکّلون.))

(صحیح بخاری، رقم: ٦٥٤١)

''(یہ وہ لوگ ہوں گے) جو گرم لوہے سے داغ نہیں لگواتے ہوں گے، دم جھاڑ نہیں کرواتے ہوں گے، بدفالی بدشگونی نہیں لیتے ہوں گے اور اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہوں گے۔''

اور کیا یہ آنکھوں دیکھی حقیقت نہیں کہ ایک بہت بڑی تعداد خود کچھ نہ کر کے صرف دم جھاڑ یا دعا ہی پر اکتفا کرتی ہے۔ ان کے لیے نذرانہ پیش کرنا خوشی کا باعث اور آسان ہے مگر شریعت پر پابندی بہت گراں گزرتی ہے، الا ماشاء اللہ۔

مؤلف محترم سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ ''علماء اہل حدیث کا ذوقِ تصوف'' بیان کرتے ہوئے اس کتاب میں بہ طورِ لاحقہ ''کتاب التعویذات'' کی بھلا ایسی بھی کیا ضرورت تھی کہ جس میں عقیدہ وعمل کی مہلک خندقیں ہیں۔ راسخ علماء اہل حدیث نے کبھی خوش دلی سے ان کی تائید وتصویب نہیں کی۔ ان کے نزدیک اس عمل اور اس دروازے کو کھولنا کبھی بھی پسندیدہ نہیں رہا ہے۔ انتہائی مجبوری اور لاچاری کی صورت میں تو الگ بات ہے۔ اور وہ بھی قرآنی آیات اور

مسنون دعاؤں کی شرط کے ساتھ۔ بڑی تکلیف دہ ہے یہ حقیقت کہ ہمارے محبوب شیخ عمدۃ المفسرین، زبدۃ المحدثین نواب سید محمد صدیق حسن خان علیہ الرحمہ والغفران نے اپنی اس کتاب میں (اگر فی الحقیقت یہ کتاب انھی کی ہے!) بہت کچھ رطب و یابس جمع فرما دیا ہے۔ میں اس میں سے بہ طور نمونہ ایک چیز پیش کرنے کی گستاخی کروں گا۔ دعا ''حزب البحر'' میں ۵۹۰ھ میں پیدا ہونے والے شیخ ابوالحسن شاذلی نے کس اعتماد سے کہہ دیا ہے:

"والله لقد أخذته من رسول الله ﷺ حرفا بحرف."

''اللہ کی قسم! یہ دعا میں نے حرف بہ حرف رسول اللہ ﷺ سے لی ہے۔''

اور اس دعا کی تفصیل ''ذوقِ تصوف'' کے حاملین کے لیے بہ طور ضیافتِ طبع پیش خدمت ہے:

"رب یسر وسهل ولا تعسر علینا . یا میسر کل یسیر! بحق ا، ب، ت، ث......هو، لای ...... باسم الله بابنا، تبارك حیطاننا، یٰس سقفنا، کهیعص کفایتنا."

(النفحة العلیة في أوراد الشاذلیة، ص: ۱۲ بہ حوالہ بدع الاعتقاد وأخطارها للشیخ محمد حامد ناصر، ص: ۱۸۳)

(اس کے ترجمے سے عمداً گریز کیا جاتا ہے اور اس کے متعلق فتوائے بالصواب بھی انھی سے مطلوب ہے)

اور اصحاب سلاسل تصوف کے نزدیک ان اوراد و اذکار کے پڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ شیخ نے ان اوراد و اذکار کی اجازت دی ہو یا اس نے خود تعلیم دی ہو، پڑھنے والا تشہد کی حالت میں بیٹھے، اپنے شیخ کا تصور باندھے اور اس سے امداد کا طالب ہو۔ اور ذکر کے فوراً بعد پانی نہ پیے اور کچھ دیر استحضار میں بیٹھا رہے۔ وغیرہ (بہ حوالہ سابقہ)

مذکورہ بالا اُمور محض دعویٰ نہیں ہیں، پیش نظر کتاب میں شامل شاہ ولی اللہ کے رسائل: القول الجمیل مع شرح شفاء العلیل، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، فیوض الحرمین اور اس طائفہ کے دیگر رسائل میں موجود ہیں۔ اور ان چیزوں کا ان حضرات کی زبان و قلم سے سرزد ہو جانا ان کا سہو اور ذہول تھا اس پر ہم ان کے لیے اللہ کے حضور عفو و استغفار کی دعا کرتے ہیں۔ اور خود "خذ ما صفا و دع ماکدر" کا اُصول اپناتے ہیں کہ ''اچھی چیزیں لے لو اور میلی (غیر مشروع) چیزیں چھوڑ دو۔''

اہل حدیث بحمد اللہ تعالیٰ کبھی بھی اندھی شخصیت پرستی کا قائل و فاعل نہیں رہا۔ حجت اور قابل اطاعت صرف اور صرف کتاب اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ثابت شدہ سنت ہی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا معروف قول ہے:

"كل يؤخذ من قوله و تيرك إلا صاحب هذا القبر."

''ہر ایک کی بات لی بھی جا سکتی ہے اور چھوڑی بھی جا سکتی ہے، سوائے اس قبر والے (یعنی رسول اللہ ﷺ) کے۔''

ان چیزوں کو اس طرح سے کھلے بندوں عام کر دینا کس قدر خطرناک ہے اس کا احساس دوراندیش لوگوں کو شروع ہی سے رہا ہے، مثلاً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ کہ کلمہ لا إله الا الله کہنے والا جنت میں جائے گا، اس کو بہت زیادہ عام کرنے سے اندیشہ ہے کہ لوگ اسی پر اعتماد کرتے ہوئے عمل چھوڑ دیں گے، وغیرہ۔

اسی کتاب التعویذات میں دعاء حزب البحر کے خواص ذکر کرنے کے بعد مؤلف موصوف نے جو فائدہ لکھا ہے آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں:

''اس جگہ یہ بات ہر دم لائق یاد رکھنے کے ہے کہ جو دعوات مشائخ و اہل علم سے منقول ہیں اور ان کے فوائد مجرب نہایت مبالغے کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں انھی پر اقتصار کرنا اور قرآن شریف کی تلاوت اور اس کی آیات سے انتفاع ترک

کر دینا اور دعوات ماثورہ وصلوات ثابتہ سے قطع نظر کر کے ترتیباتِ مشائخ، وضیفہ ہائے ساختہ و پرداختہ درود پر قانع و مقتصر ہو بیٹھنا کوئی عمدہ کام لائق نفع تام و مدحِ عام نہیں ہے۔ ابلیس پُرتلبیس کا ایک فریب یہ بھی ہے کہ اس نے حیلہ وفن سے اُمت اسلام کو اللہ و رسول سے روک کر کلامِ اُمت پر مشغوف کر دیا اور برکاتِ وحی و نبوت سے محروم رکھ کر ایک جہان کو پیر پرست ، گور پرست بنا دیا ۔ اگر یہ لوگ ہمراہ مداومت تلاوتِ قرآن اور مواظبتِ اذکار و ادعیہ سنت صحیحہ کے گاہ گاہ ان ترتیباتِ مشائخ کو بھی جن میں کوئی لائحہ شرکِ جلی یا خفی کا نہیں ہے ، استعمال میں لاتے تو اس سے یہ مراتب بہتر تھا کہ بالکل ترتیبات پر جھک پڑے ہیں اور کتاب وسنت سے علیحدہ جا گرے ہیں......الخ۔"

(کتاب التعویذات،ص:۱۰۱ بہ حوالہ کتاب ہذا،ص:۱۴۲۰)

کتاب التعویذات (ص:۷۱) میں امام دینوری کا قول "کشف الکنوز" سے نقل کیا ہے جس کا ترجمہ از راقم درج ذیل ہے:

"اگر یہ ترتیبات عہد نبی علیہ الصلاۃ والسلام یا دورِ خلافت میں ہوتے تو وہ انھیں جلا ڈالتے یا غرقِ آب کروا دیتے کیوں کہ یہ ایسے لوگوں کے دلوں میں جا گزیں گئے ہیں جو قرآن کریم کے فضائل وخواص سے آگاہ نہیں ہیں۔ اُنھوں نے ان لوگوں کو قرآن کریم سے روک دیا اور دور کر دیا ہے۔"

یہ اور اس طرح کے اور بھی کئی خوب صورت زریں اقوال ہیں جن سے اختصار کے پیش نظر صرف نظر کیا جاتا ہے۔ مگر یہ بیانات کس قدر عمدہ کیوں نہ ہوں کتاب یا کتابوں کے طول طویل اقتباسات کی تہوں میں دفن ہیں۔ کوئی خوش قسمت با بصیرت ہی ان کی طرف متوجہ ہو گا جب کہ عامی تو بس پُرکشش عنوانات کے تحت اپنے مطلب کی چیز ہی لے گا۔

اور پھر جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے رسائل ہیں جو غالباً ان کے اس دور کے ہیں جب وہ حدیث نبوی کے چشمۂ صافی سے سیراب نہ ہوئے تھے اور حرمین شریفین جا کر باقاعدہ حدیث نہ پڑھی تھی، واللہ اعلم۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب آدمی ایک ماحول میں پرورش پاتا ہے تو اس کے اثرات اس میں تادیر قائم رہتے ہیں۔ بہر حال امام صاحب رحمہ اللہ کی تالیفات بعد از رجوع حرمین پہلے سے بہت مختلف ہیں۔ اور اس دور میں ان کے مستفیدین میں بھی رغبت الی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ بڑھ گئی۔ اور ہر آنے والے عہد میں اس کی برکات نمایاں ہوتی رہی ہیں اور اب تو بحمد اللہ بہت ہی نکھر گئی ہیں۔ اس کے باوجود ان سے روحانی ربط وضبط رکھنے والا ایک طبقہ ان کے دورِ اول کے افکار واعمال اور معمولات پر مطمئن ہے۔ اور انھی احوال کو تصوف وولایت باور کرانے پر مصر ہے جن پر ان کی اولین اٹھان ہوئی تھی۔ جیسے کہ کتاب "علماء اہل حدیث کا ذوق تصوف" کو ترتیب دیتے ہوئے مرتب محترم نے کوشش کی ہے، واللہ اعلم۔

مقدمہ کتاب میں اظہار ہوا ہے کہ اس سلسلے میں ابھی کام جاری ہے۔ نامعلوم وہ کس انداز کا ہوگا!

کاش کہ ان رسائل کی بجائے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی "الفرقان بين أولياء الرحمان وأولياء الشيطان"، ابن القیم کی "الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي"، ابن الجوزی کی "تلبيس إبليس" کے متعلقہ حصے اور "العقيدة الطحاوية" میں سے "الإيمان بكرامات الأولياء"، "الفراسة"، "أدعياء الولاية من أصحاب الأحوال الشيطانية"، "الملامية والفرق الصوفية"، "أصحاب الخلوات" اور "تحقيق قصة موسىٰ و خضر" وغیرہ ابواب کے تراجم جملہ اصحاب ذوقِ تصوف کے سامنے لائے جائیں تاکہ وہ اس طیب وطاہر تصوف یا بہ تعبیر دیگر تزکیہ واحسان اور زُہد سے آشنا ہوں جو کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ سے ثابت ہے اور اُمت سے مطلوب بھی!

هذا ما عندي والله أعلم وعلمه أتم

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

مجموعہ علوم قرآن

مصنف: نواب سید محمد صدیق حسن خان
تسہیل وتخریج: حافظ عبداللہ سلیم وحافظ شاہد محمود
ناشر: دار ابی الطیب، حمید کالونی، گل روڈ، گوجراں والا
(کمپوزنگ کاغذ، طباعت، جلد بہترین)
ضخامت: ۹۱۲صفحات
تبصرہ نگار: محمد اسحاق بھٹی

قرآن مجید وہ افشردہ نور اور صحیفہ خداوندی ہے، جس کی تفسیر وتوضیح کا سلسلہ اس کے عہدِ نزول ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ بے شمار اصحابِ علم نے اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی اور ہر زبان اور ہر زمانے میں کی۔ اللہ کا یہ وہ آخری بول ہے جس میں ہر رنگ ونسل کے لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور ہر نوع کی تہذیب وثقافت کے حامل انسانوں کو دعوت رشد وہدایت دی گئی ہے۔ اس میں صحفِ ابراہیم کی تعلیم بھی آ گئی ہے۔ مزامیر داود کی زیبائی بھی موجود ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کی فہم ودانش بھی اس کے اوراق میں جلوہ گر ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صدائے حق کا پرتو بھی اس میں دکھائی دے رہا ہے، حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ حسنہ بھی اس میں سنائی دے رہے ہیں اور قلب نبوت (یعنی پیغمبر آخر الزمان ﷺ) کی تابانی بھی پوری توانائی کے ساتھ اس میں موجود ہے۔ اس طرح یہ سب کتب سماوی کا خوب صورت ترین مجموعہ ہے اور تمام انبیائے سابقین علیہم السلام کی تعلیمات کا نچوڑ اس میں مندرج ہے۔ خود قرآن کے الفاظ میں کہنا چاہیے:

﴿فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾[البينة: ۳]

یعنی اس میں وہ تمام کتابیں، نصیحتیں اور دعوت و ارشاد کی استواریاں پائی جاتی ہیں جن کی نوع انسانی کو ضرورت ہے۔

بے شمار لوگوں نے قرآن مجید کے ترجمے کیے اور تفسیریں لکھیں۔ برصغیر (جواَب پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش تین ملکوں پر) مشتمل ہے، علم وتحقیق کے اعتبار سے نہایت پرثروت خطہ ارض ہے اور اس خطے میں بہت سی زبانوں میں تصنیفی اور تدریسی صورت میں صدیوں سے اسلام کی خدمت کا سلسلہ جاری ہے۔ خدام اسلام کی اس وسیع فہرست میں حضرت سید نواب محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کا اسم گرامی بالخصوص قابل ذکر ہے۔ نواب صاحب ۱۳ نومبر ۱۸۳۲ء کو پیدا اور ۱۷ فروری ۱۸۹۰ء کو فوت ہوئے۔ صرف ۵۸ برس عمر پائی۔ اُنھوں نے عربی، فارسی اور اُردو میں ۳۲۳ کتابیں تصنیف کیں۔ ان کتابوں میں بعض چند صفحات پر مشتمل ہیں جب کہ متعدد بہت ضخیم اور کئی کئی جلدوں پر محیط ہیں۔ صرف قرآن مجید پر ان کی سات کتابیں ہیں جن میں دو تفسیریں حسب ذیل ہیں:

۱: فتح البیان فی مقاصد القرآن: قرآن مجید کی یہ تفسیر عربی زبان میں ہے۔ یہ تفسیر دس جلدوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور بڑے سائز کے چار ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل۔

۲: ترجمان القرآن بلطائف البیان: یہ تفسیر اُردو زبان میں ہے اور پندرہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور بڑی تقطیع کے کم وبیش پانچ ہزار صفحات ہیں۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی کے بھتیجے اور حکیم عبدالمجید مرحوم کے صاحب زادگان گرامی حکیم عتیق الرحمٰن اور

ڈاکٹر محمد یوسف فاروق کے اہتمام میں مکتبہ قدوسیہ اُردو بازار لاہور اسے شائع کررہا ہے۔اللہ کرے یہ تفسیر جلد شائع ہو۔

اب زیر تبصرہ کتاب ''مجموعہ علوم قرآن'' کی طرف آیئے ۔ یہ قرآن سے متعلق نواب صاحب کی چار کتابوں کا روح پرور مجموعہ ہےاور وہ کتابیں یہ ہیں:

۱: فصل الخطاب فی فضل الکتاب: یہ کتاب اُردو زبان میں ہے ۔اس میں قرآن کی سورتوں اور آیتوں کی تعداد بیان کی گئی ہے ۔ نیز آدابِ ذکر، آدابِ دعا ۔قرآن مجید کے نام، سورتوں کے نزول کی ترتیب،جمع قرآن،قرآن کا رسم الخط، نقطے اوراعراب،خطِ عربی کی تاریخ وغیرہ بہت سی باتیں ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہیں۔ یہ رسالہ زیر نظر مجموعہ کے صفحہ ۵۱ سے شروع ہوتا اور ۱۹۵ پر ختم ہوتا ہے۔

۲: تذکیر الکل بتفسیر الفاتحۃ واربع قل :یہ رسالہ بھی اردوزبان میں ہے۔اس میں سورہ فاتحہ،سورۃ قل یا ایھا الکافرون ، سورۃ قل ھو اللہ احد، سورۃ قل اعوذ برب الفلق اور سورۃ قل اعوذ برب الناس کی تفسیر بیان فرمائی گئی ہے۔پیش نظر مجموعے میں اس کا آغاز صفحہ ۱۹۹ سے ہوتا ہے اور اختتام صفحہ ۲۷۱ پر۔

۳: افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ: یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اوراس کا اُردو ترجمہ مولانا عزیز الحق عمری نے کیا ہے۔کتاب کے باب اول میں قرآن مجید کی ترتیب کے مطابق منسوخ آیات کا ذکر ہے اور باب دوم میں منسوخ احادیث کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔اپنے موضوع کی یہ نہایت اہم کتاب ہے۔اس مجموعے میں اس کا آغاز صفحہ ۲۷۸ سے ہوتا ہے اوراختتام ہوتا ہے صفحہ ۵۱۹ پر۔

۴: اکسیر فی أُصول التفسیر: حضرت نواب صاحب کی یہ کتاب دوحصوں میں منقسم ہے ، حصہ اوّل میں کتب تفسیر کا تعارف کرایا گیا ہےاور حصہ دوم میں مفسرین کے ضروری حالات بیان کیے گئے ہیں ۔اصل کتاب فارسی زبان میں ہے اورقرآن مجید،اس کی تفاسیراورمفسرین کے بارے میں بڑی معلومات افزا کتاب ہے۔زیر تبصرہ مجموعے میں اس کا اُردو ترجمہ دیا گیا ہے جو صفحہ ۵۲۳ سے صفحہ ۹۰۷ (آخر کتاب) تک چلتا ہے۔

نواب صاحب نے قرآن مجید سے متعلق مختلف نوعیت کی جو خدمات سرانجام دیں وہ بڑے سائز کے دس ہزار صفحات پر مشتمل ہیں اور عربی ، فارسی ، اُردو تینوں زبانوں میں ہیں ۔ مجھے نہیں معلوم کہ برصغیر کے کسی اہل علم نے تین زبانوں میں قرآن مجید کے بارے میں اتنا تحریری کام کیا ہو، جتنا نواب صاحب نے کیا۔

''مجموعہ علوم قرآن'' اس موضوع کی چار کتابوں کا عمدہ ترین مجموعہ ہے ۔حافظ عبداللہ سلیم اور حافظ شاہد محمود کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ اُنھوں نے بڑی محنت سے اس میں مندرج احادیث وآثار کی تخریج کے علاوہ نواب صاحب کی سوا سو سال قبل کی اُردو زبان کو اس انداز میں سہل بنانے کی سعی کی کہ کہیں اصل عبارت میں تبدیلی نہیں آئی۔

مولانا عارف جاوید محمدی اور مکتبہ دارابی الطیب کے ذمہ دار حضرات مبارک باد کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے نواب صاحب اور دیگر علمائے سلف کی کتابیں اس قدر اہتمام اور خوب صورت اسلوب میں شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ بزرگانِ دین کے اس قسم کے نایاب ذخیرے کو اسی طرح محفوظ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

کتاب کی پروف ریڈنگ غور سے کی گئی ہے۔اتنی ضخیم کتاب میں کوئی خاص غلطی نظر نہیں آئی۔

کتاب کے صفحہ ۴۰ اور ۴۱ کے حاشیے میں ایک کتاب ''جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات'' کا حوالہ دیا گیا ہے،لیکن نہ مصنف کا نام لکھا گیا ہے، نہ کتاب کے مقامِ اشاعت کا ذکر کیا گیا ہے، حالاں کہ یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں۔

بہر کیف قرآن مجید سے متعلق یہ مجموعہ بہت سی معلومات پر مشتمل ہے۔ یوں تو سب کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے، لیکن علماء وطلبا کو بالخصوص اس سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ بے حد خوشی کی بات ہے کہ حافظ عبداللہ سلیم اور حافظ شاہد محمود نے بڑی محنت سے یہ مجموعہ مرتب کیا اور اس کی تسہیل وتخریج کا فریضہ انجام دیا۔ اُمید ہے حضرت نواب صاحب کی دیگر تصانیف بھی اسی انداز سے شائع کی جائیں گی۔



سیرت رحمۃ للعالمین ﷺ کے درخشاں پہلو

تالیف: حافظ محمد زبیر علی زئی رحمہ اللہ
ضخامت: ۱۱۰ صفحات
ملنے کا پتا: مکتبہ اسلامیہ بالمقابل رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، ان میں مختصر بھی ہیں اور ضخیم بھی۔

زیر تبصرہ کتاب ''سیرت رحمۃ للعالمین ﷺ کے درخشاں پہلو'' ایک نئے انداز کی کتاب ہے۔

محقق العصر مولانا حافظ محمد زبیر علی زئی رحمہ اللہ علومِ حدیث کے شناور اور اس کی پہچان ومعرفت میں یگانہ روزگار شخصیت تھے۔ وہ ایک خاص جذبے اور شوق سے اشاعتِ حدیث کے لیے کوشاں تھے۔ اسے سلسلے میں وہ ایک ماہ نامہ رسالہ ''الحدیث'' حضرو (ضلع اٹک) سے شائع کرتے رہے۔ اس مجلّے میں وہ سیرت رسول ﷺ پر بھی مضامین تحریر فرماتے رہے۔ مجلّہ ''اشاعۃ الحدیث'' کے موجودہ مدیر محترم حافظ ندیم ظہیر حفظہ اللہ نے مولانا حافظ محمد زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے سیرت پر مبنی انھی مضامین کو کتابی شکل میں اپنے حواشی کے ساتھ یک جا کر دیا ہے۔

بہر حال پیش نظر کتاب کو سیرت نبوی ﷺ پر ایک اچھا اضافہ کہا جا سکتا ہے۔ مکتبہ اسلامیہ اُردو بازار لاہور نے اسے بہترین کاغذ وطباعت سے شائع کیا ہے۔



جواہر الاحادیث

تالیف: محمد ابراہیم محمدی
ضخامت: ۱۲۰ صفحات (عمدہ کاغذ، خوب صورت طباعت)
ناشر: ادارہ تعلیم الاسلام، وزیر آباد
تبصرہ نگار: ضیاء اللہ فیضی

قرآن وحدیث کا ماخذ وحی الٰہی ہے چنانچہ علمائے اُمت نے وحی کی دو قسمیں بیان کی ہیں (۱) وحی متلو (۲) وحی غیر متلو۔

وحی متلو کا طریق حصول یہ تھا کہ جبرائیل علیہ السلام لوح محفوظ سے اخذ کر کے لفظ بہ لفظ محفوظ کر لیتے تھے اور پھر اسی طرح لفظ بہ لفظ حامل نبوت ﷺ تک پہنچا دیتے تھے۔

اور اکثر علماء کے مطابق وحی غیر متلو (حدیث) کا طریق حصول یہ تھا کہ نبی ﷺ کے قلب مبارک پر مضمون حدیث القا ہوتا اور آپ ﷺ اسے اپنے لفظوں میں اُمت تک پہنچا دیتے۔

بہر حال حدیث بھی وحی الٰہی ہے اور اس کی الہامی حیثیت مسلّم ہے جس پر خود قرآن شاہد عدل ہے۔

حدیث کی اسی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے فاضل بھائی نے زیر نظر کتاب میں سو (۱۰۰) احادیث کا ایسا مجموعہ تیار کیا ہے جن کا تعلق روز مرہ کاموں سے ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں درج ذیل باتوں کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے:

(۱) ہر حدیث کو حتی الامکان صحیح عبارت کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔

(۲) بامحاورہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ مشکل الفاظ کا الگ سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

(۳) ہر حدیث کی مختصر و جامع تشریح کی گئی ہے۔ جس سے حدیث کے مفہوم کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔

الغرض، کتاب نہایت آسان اور عام فہم ہے۔ ایک عام آدمی بھی اس کتاب سے استفادہ کر سکتا ہے۔

فہرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری

دارالدعوۃ السلفیہ، لاہور

۸۹۳ء۲۹۷ انواراللہ خان

ا ا احتساب قادیانیت، جلد (۲۱) ص: ۶۰۰۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ، ملتان۔

۱۔ انواراللہ خان۔ افادۃ الافہام (۱)

۲۔ انواراللہ خان۔ افادۃ الافہام (۲)

۳۔ انواراللہ خان۔ انوارالحق۔

۸۹۳ء۲۹۷ ایم ایس خالد وزیر آبادی

م۔ ا احتساب قادیانیت، جلد (۲۲) ص: ۴۶۴۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ، ملتان۔

۱۔ ایم ایس خالد وزیر آبادی۔ صحیفہ تقدیر۔

۸۹۳ء۲۹۷ ایم ایس خالد وزیر آبادی

م۔ ا احتساب قادیانیت، جلد (۲۳) ص: ۵۸۶۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ رود، ملتان۔

۱۔ ایم ایس خالد وزیر آبادی۔ نوبت مرزا۔

۲۔ ایم ایس خالد وزیر آبادی۔ تصویر مرزا۔

۳۔ ایم ایس خالد وزیر آبادی۔ نوشتہ غیب۔

۸۹۳ء۲۹۷ مولانا عبداللطیف مسعود

ع ا احتساب قادیانیت، جلد (۲۴) ص: ۶۷۲۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان۔

۱۔ عبداللطیف مسعود۔ حقیقت مرزائیت۔

۲۔ عبداللطیف مسعود۔ مرزا قادیانی کی سچی باتیں۔

۳۔ عبداللطیف مسعود۔ بدترین دجل وفریب۔

۴۔ عبداللطیف مسعود۔ ایک مسجد کی حالت زار۔

۵۔ عبداللطیف مسعود۔ قادیان کے الہامی چکر۔

۶۔ عبداللطیف مسعود۔ قادیانیت کی حقیقت۔

۷۔ عبداللطیف مسعود۔ معرکہ حق وباطل۔

۸۔ عبداللطیف مسعود۔ مرزا قادیانی کی کہانی اِس کی اپنی زبانی۔

۹۔ عبداللطیف مسعود۔ پنجابی نبوت کے کرشمے۔

۱۰۔ عبداللطیف مسعود۔ مرزائیوں کو احمدی کہنا زبردست کفر ہے۔

۱۱۔ عبداللطیف مسعود۔ عدالتی فیصلہ۔

۱۲۔ عبداللطیف مسعود۔ وہ عہد کا رسول۔

۱۳۔ عبداللطیف مسعود۔ آئینہ قادیانی۔

۱۴۔ عبداللطیف مسعود۔ مسلم ذرا ہوشیار باش۔

۱۵۔ عبداللطیف مسعود۔ مرزا احمد قادیانی کے ساٹھ (۶۰) شاہکار جھوٹ۔

۱۶۔ عبداللطیف مسعود۔ مرزائیت کا الہامی ہیڈ کوارٹر۔

۱۷۔ عبداللطیف مسعود۔ مرزا قادیانی کے رنگ برنگے شیطانی الہامات۔

۱۸۔ عبداللطیف مسعود۔ مرزا قادیانی کے بائیس (۲۲) جھوٹ۔

❀❀❀

ابوہریرہ شریعہ کالج میں داخلہ لیجیے

حضرات آپ یقیناً واقف ہوں گے کہ ملک میں یہ واحد ادارہ ہے جس میں 1997ء سے درسِ نظامی کے ساتھ لازمی (Compulsary) ایف۔اے، بی۔اے کروایا جاتا ہے۔ اب تک جو بیک وقت عالم دین اور گریجویٹ علماء فارغ ہوئے ہیں۔ چند ایک کو چھوڑ کر باقی تمام فوج، پولیس اور ایجوکیشن کے شعبے میں اہم پوسٹوں پر کام کرنے کے ساتھ ساتھ دین کی خدمت بھی کر رہے ہیں۔

داخلہ 10 اپریل تا کیم مئی

میرٹ: میٹرک۔ تاہم میٹرک کا امتحان دینے والے طلباء داخلہ لے سکتے ہیں البتہ فیل ہونے کی صورت میں طالب علم کو فارغ کر دیا جائے گا۔

سہولیات: تعلیم، رہائش، کھانا فری تاہم درس نظامی اور کالج کی کتب طالب علم کے ذمہ ہونے کے ساتھ اسے استعداد کے مطابق کچھ ماہانہ زرِ تعاون جمع کروانا ہوگا۔ تاکہ مفت خوری سے اجتناب اور طلباء میں خودداری پیدا ہو سکے۔

نصاب شریعہ کالج

سال اوّل: ترجمۃ القرآن سورۃ الفاتحہ تا الاعراف، مشکوٰۃ اوّل، علم النحو، علم الصرف، ابواب الصرف، دروس اللغۃ العربیۃ (دو حصے) تجوید القرآن **فرسٹ ائیر نصاب بمطابق لاہور بورڈ**

سال دوم: ترجمۃ القرآن سورۃ الاعراف تا النمل، مشکوٰۃ ثانی، نحو میر شرح مائۃ عامل، کتاب الصرف، اطیب المنح، معلم الانشاء (دو حصے) تجوید القرآن **سیکنڈ ائیر نصاب بمطابق لاہور بورڈ**

سال سوم: ترجمۃ القرآن، مسلم شریف، ترمذی شریف، ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، السراجی، شرح نخبۃ الفکر، تجوید القرآن **تھرڈ ائیر نصاب بمطابق پنجاب یونیورسٹی**

سال چہارم: بخاری شریف، ہدایہ، الوجیز، شرح ابن عقیل، الفوز الکبیر، تجوید القرآن **فورتھ ائیر نصاب بمطابق پنجاب یونیورسٹی**

شریعہ کالج کے امتیازات

❁ کمبائن نصابِ تعلیم کا بانی ❁ تفسیر فہم القرآن اور دیگر کتب کا ناشر ❁ پاکستان میں تحریک دعوتِ توحید کا بانی

ابوہریرہ اکیڈمی کی نشریات: از قلم میاں محمد جمیل

منفرد تفسیر: فہم القرآن

تفسیر کی انفرادیت

1۔ اُردو، عربی تفاسیر کے اہم نکات پر مشتمل تفسیر۔
2۔ محاورۃً اور لفظی ترجمہ۔
3۔ بہت سی تفاسیر سے زیادہ ربط کلام کا اہتمام۔
4۔ ہر آیت میں پائے جانے والے مسائل کا ترتیب وار بیان
5۔ ہر آیت کے مرکزی مضمون کی تفسیر دیگر آیات کے حوالوں سے جو ایک مکمل تقریر ہے۔

مکمل سیٹ کی قیمت: —/4200

فہم الحدیث

تمام مکاتب فکر کے مدارس میں پڑھائی جانے والی حدیث شریف کی کتاب مشکوٰۃ المصابیح سے متفق علیہ اور بخاری و مسلم کی مکمل روایات۔ ان روایات کے متن پر محدثین، دیوبند، بریلوی اور اہلحدیث علماء کا اتفاق ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد تعلیم یافتہ طبقہ کو 80 فیصد مسائل کسی عالم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ تعلیم و تعلم سے وابستہ حضرات کے لیے انتہائی مفید ہے۔ قیمت فی سیٹ:----/1000

① دین تو آسان ہے (100 روپے) ② برکاتِ رمضان (80 روپے)
③ آپ ﷺ کا حج (40 روپے) ④ انبیاء ﷺ کا طریقہ دعا (80 روپے)
⑤ سیرت ابراہیم علیہ السلام (100 روپے) ⑥ زکوٰۃ کے مسائل و فوائد (90 روپے)
⑦ انتخابات اور نظم جماعت (100 روپے) ⑧ آپ ﷺ کا تہذیب و تمدن (90 روپے)
⑨ فضیلت قربانی اور اس کے مسائل (40 روپے) ⑩ مشکلات کیوں؟ نکلنے کے الہامی راستے (90 روپے)
⑪ جادو کی تباہ کاریاں اور اس کا شرعی علاج (80 روپے) ⑫ آپ ﷺ کی نماز قیام و سجود کی عملی تصاویر (40 روپے)

40% رعایت براہ راست منگوانے والوں کے لیے

جدید مالی مسائل پر عصر حاضر کی منفرد کتب

① دورِ حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم قیمت/200
② معیشت و تجارت کے اسلامی احکام قیمت/180
③ اسلام کا قانونِ وراثت ———

از قلم: حافظ ذوالفقار علی، شیخ الحدیث ابوہریرہ شریعہ کالج

ملنے کے پتے: ☆دارالسلام ☆نعمانی کتب خانہ ☆اسلامی اکیڈمی ☆سلفیہ ☆قدوسیہ ☆ مکتبہ اسلامیہ لاہور دار ارقم فیصل آباد میں دستیاب ہیں۔ برائے راست منگوانے والوں کو 40% فی صد رعایت

میاں محمد جمیل پرنسپل ابوہریرہ شریعہ کالج 37 کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور: 042-35417233/0333-4095308 0306-4621016/0305-4036012

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدمتِ قرآن وحفظ القرآن کی خدمت کے 50 سال

بمقام مدرسہ مصباح القرآن شیش محل روڈ، لاہور

درسِ قرآن وحدیث

7 مئی
بروز بدھ
(بعد نماز ظہر)

استاذ القراء والحفاظ
حضرت مولانا
قاری محمد عزیر حفظہ اللہ
ارشاد فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ
مدیر ادارۃ الاصلاح اہل حدیث
گلشن راوی، لاہور

زیر صدارت
مولانا ابوبکر صدیق السلفی ﷾

اہل اسلام سے
بھرپور شرکت کی درخواست ہے۔

الداعی الی الخیر: حافظ احمد شاکر (ناظم) وارا کین دار الدعوۃ السلفیہ
مدرسہ مصباح القرآن / ہفت روزہ ''الاعتصام'' ۳۱۔ شیش محل روڈ لاہور فون نمبر: 042-37354406

حدیث ختم رُسل ﷺ

کلام حق کی وضاحت حدیث ختم رُسل ﷺ
چراغِ راہِ شریعت حدیث ختم رُسل ﷺ

حسین طرزِ تکلم ، دھنک دھنک جملے
فروغِ رنگ فصاحت حدیث ختم رُسل ﷺ

حبیب ﷺ ربِ جہاں کا کلامِ جاں پرور
زبانِ پاک کی نکہت حدیث ختم رُسل ﷺ

ہجومِ دولت و زر میں قناعتوں کا بھرم
حروفِ فقر کی عظمت حدیثِ ختم رُسل ﷺ

عداوتوں کے خدنگوں کے زخم کا درماں
پیامِ صلح و اُخوت حدیثِ ختم رُسل ﷺ

ہوائے جنتِ طیبہ، شمیمِ خُلدِ حرم
بہارِ گلشنِ اُمت حدیثِ ختم رُسل ﷺ

جہانِ کذب کی تیرہ فضاؤں میں راسخ
فروغِ شمعِ حدیثِ ختم رُسل ﷺ

(راسخ عرفانی)